باب دوم

نفسیات اور نفسیاتی کشمکش

نفسیات کی تعریف

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو اشرفیت دیگر مخلوقات پر بخشی ہے اس کی وجہ اس کا شعور ہے۔ انسان نے اس شعور کی وجہ سے دنیا کے بے شمار علوم سیکھے اور ان تجربات و مشاہدات میں اس نے اپنی اہلیت و مہارت کا ثبوت اس درجہ میں دیا ہے کہ اسے بیان میں نہیں لایا جاسکتا۔ علم و ترقی کے منازل طے کرتے کرتے اسے اپنی ذات کا بھی خیال آیا کہ وہ کیا ہے؟ اس سربستہ راز کی عقدہ کشائی کے لیے اس نے اپنے آپ میں ڈوب کر سراغ جبلت کی تلاش کا عزم کیا اور یہ جاننے کی کوشش کی کہ میں ایسا کیوں ہوں؟ یہی وہ بنیادی سوال تھا جس پر علم نفسیات کی بنیاد پڑی۔

سائیکولوجی یونانی زبان سے ماخوذ لفظ ہے۔ یہ اصطلاح دونوں لفظوں یعنی psyche (نفس/ روح) اور logos (بیان/علم) کا مرکب ہے۔ اس طرح اسکے معنی ہوئے ''نفس کا مطالعہ''۔ اردو زبان میں بھی 'نفسیات' لفظ ہی مستعمل ہے اور یہی مراد لیا جاتا ہے یعنی 'نفس کا مطالعہ' یا 'ذہن کا مطالعہ'۔ علمِ نفسیات میں تدریجی ترقی کے ساتھ ساتھ اسکے معنی و مفہوم میں بھی تبدیلیاں واقع ہوتی رہی ہیں۔ ابتداً یہ خیال تھا کہ یہ روح کا مطالعہ ہے لیکن جب یہ تاثر کوئی ٹھوس حقیقت فراہم نہیں کرسکا تو بعد میں اسے ذہن کے مطالعہ کا نام دیا گیا۔ جسے بعض ماہرین نفسیات نے قبول تو کیا لیکن دشواری یہ تھی کہ روح کی طرح ذہن کے وجود کے بارے میں بھی ٹھوس ثبوت پیش نہیں کیے جاسکتے تھے۔ لہذا اس کی جامع اور حتمی تعریف نہیں ہو پائی۔ نفسیات کے بارے میں ۱۸۹۰ء میں ولیم جیمس نے ان الفاظ میں تعریف کی تھی:

> "Psychology is the science of mental life,both of its phenomena and of their conditions.The phenomena are such thing as we call feeling,desires,cognitions, reasonings,decisions and the like."(1)

سائنسی رو سے یہ تعریف بھی ادھوری سمجھی گئی، کیونکہ نفس ایک غیر مرئی حقیقت ہے جبکہ دماغ انسانی جسم کا وہ عضو ہے جو مختلف حواس سے متاثر تو ہوتا ہے لیکن دقت یہ ہے کہ اس کیفیت کو بیان میں نہیں لایا جاسکتا کیونکہ ہر وقت سطحِ دماغ پر بے شمار کارکردگیاں موجود رہتی ہیں۔ ہم اس نفسیاتی کیفیت کے وسیلے سے شعور تک تو رسائی حاصل کر سکتے ہیں، لیکن نفسیات کا پورا عمل حاصل نہیں کر سکتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ بعد کے ماہرینِ نفسیات نے اس علم کو "مطالعہ شعور" (study of consciousness) سے موسوم کیا, اس طرح اس کا مبحث نفسیاتی کیفیات اور افعال ٹھرے، لیکن فی الحقیقت نفس کی جمیع کارکردگیاں سطح شعور پر واقع نہیں ہوتیں، بلکہ ہماری روزمرہ کی زندگی میں شعور سے کہیں زیادہ لاشعور کا ہاتھ رہتا ہے لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ لاشعوری کیفیات و محرکات عمومی حالات میں شعور کی تہہ تک نہیں پہنچ سکتے۔ اس ادراک کے بعد نفسیات کے علم کو شعور کے ساتھ مخصوص کرنا مناسب سمجھا گیا۔

عصر حاضر میں جدید ماہرین نے نفسیات کو Study of Human Behaviour یعنی انسانی کردار کا مطالعہ کہا ہے۔ یہ نفسیات کی ایسی جامع تعریف ہے کہ اس میں انسانی کردار کے سارے پہلو آجاتے ہیں۔ کردار سے مراد محض افعالِ جسمانی ہی نہیں ہے جن کا مشاہدہ ہم اجمالی نظر سے کرتے ہیں، بلکہ وہ کیفیتِ جسمانی اور افعال بھی ہیں جو اسکے دائرہ میں آتے ہیں لیکن وہ ظاہر نہیں ہو پاتے۔ انکا عمل اور ردِ عمل اندرونِ نفس میں عیاں ہوتا ہے جن کا بالعموم ہمیں شعور نہیں ہو پاتا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ نفسیات بھی ایک سائنس ہے۔ سائنس کی بنیاد جس طرح تجربے اور مشاہدے پر ہے اسی طرح نفسیات نے بھی زندگی کے کچھ مسائل کی عقدہ کشائی مشاہدے اور تجربے کی روشنی میں کرنے کی کوشش کی ہے۔

چنانچہ .Morgan Clifford T اس طرح ایک جامع تعریف نفسیات کے بارے میں کرتے ہیں:

"Psychology is the science of human and animal behavior;it includes application of this science to human problems."(2)

اسی طرح ایڈون Edwin کی تعریف اس ضمن میں کچھ اس طرح ہے:

"Psychology is the study of conciousness,that men have in minds and bodies,and that psychology

studies the minds and physiology of the bodies"(3)

محولہ بالاتعریفوں سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ نفسیات کے تحت فرد کی شخصیت، اسکا طرزِ عمل جذبات واحساسات، طرزِ ادا، فکرورجحان، داخلی کیفیات کے منجملہ مسائل کا تجزیہ سائنسی نقطہ نگاہ سے کیا جاتا ہے۔ اس طرح شخصیت کے جملہ پہلو علمِ نفسیات کا مرکز ٹھرے، اور اسے کردار، عادات وخصائل اور طرزِ فکر وعمل کا سائنسی مطالعہ کیا گیا۔ سائنس حالات وواقعات کا جائزہ مشاہدے کی روشنی میں کرتا ہے اور مواد حاصل کرتا ہے۔ بعینہ نفسیات نے بھی اسی طریقہ کو اپنا آلہ کار بنالیا اور حقائق کی تلاش کی۔ نفسیات کی یہ تعریف اصحّ اور جامع ہے اور اسے ہی سب سے زیادہ قبولیت ملی۔

نفسیات کے تحت کردار کا مطالعہ ایک مرکزی حیثیت رکھتا ہے، جس میں صرف اعصابی کیفیات ہی نہیں بلکہ جسمانی حرکات وسکنات بھی داخل ہیں اور وہ اشیا بھی اس کے حدود میں آتی ہیں جن کے بالواسطہ مشاہدہ میں کوئی اور شریک نہیں ہوسکتا۔ مثلاً حسرت و پشیمانی، کامیابی و نامرادی، ذہنی الجھنیں، عزم واستقلال، خوف ورجا، خواہش، تامل، فکروتخیل وغیرہ۔ سائنسی نقطۂ نگاہ سے نفسیات کے مشاہدے کے دو پہلو ہیں۔ شاہد اور مشہود۔ یعنی مشاہدہ کرنے والا اور وہ جس کا مشاہدہ کیا جائے۔ کسی بھی فرد کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے ذیل میں دیے گئے اہم طریقہ ہائے تحقیق استعمال کئے جاتے ہیں:

۱۔ مشاہدہ کا طریقہ (Observation method)

۲۔ تجربہ کا طریقہ (Experemental method)

۳۔ تحقیق کا طریقہ (Research method)

۴۔ معائنہ کا طریقہ (Survey method)

۵۔ امتحان کا طریقہ (Test method)

۶۔ تاریخی معلومات (Case history)

۷۔ انٹرویو کا طریقہ (Interviews)

۸۔ سوالات کا طریقہ (Questionnaires)

یہ وہ ذرائع ہیں جن سے ماہر نفسیات کسی شخص کے محسوسات، خواہشات، خیالات، رجحانات، محرکات اور تخیلات وغیرہ کا شعور حاصل کرتا ہے۔ جن کا ادراک بغیر باطن کے مشاہدہ کے ممکن نہیں۔ مشاہدہ باطن ہمیں ان تمام باتوں سے واقفیت دلاتا ہے جن کا مشاہدہ ہم بظاہر نہیں کر سکتے۔

فی الحقیقت نفسیات، انسانی کردار اور نفسی کیفیات کے اسباب وعلل کی دریافت کا نام ہے۔ اس میں ان اعمال وافعال کا بھی جائزہ لیا جاتا ہے جو ماحول سے متاثر ہونے کی صورت میں ظہور پذیر ہوئے ہوتے ہیں۔ ان میں مرکزیت جس شئے کو حاصل ہے وہ فرد کی ذات ہے، جس میں کردار کے اجزا ایک گو نہ ہوتے ہوئے بھی ان کی ترتیب وتنظیم مختلف ہوتی ہے۔ اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ ہم سماج میں بسنے والے لوگوں کی ذہنیت کو تب تک نہیں سمجھ سکتے جب تک نا ہم فرد کی نفسیات کو سمجھیں۔

المختصر! نفسیات وہ علم ہے جو انسان کی نفسی اور حیاتی زندگی سے متعلق ہے۔ ادب کو بھی ہم جب ہی بہتر انداز میں سمجھ سکتے ہیں جب ہم ادیب کو نفسیاتی حیثیت سے سمجھنے کی کوشش کریں۔

انسانی زندگی جس طرح مختلف شعبوں اور گوشوں میں بٹی ہوئی ہے ویسے ہی نفسیات نے بھی ان عناصر کو کما حقہٗ احاطے میں لانے کی کوشش کی ہے۔ اس لئے ظاہر ہے نفسیات بھی مختلف شعبوں میں منقسم ہوئی۔ اہم شعبوں کا ذکر کرنا لازم ہے تاکہ انسانی نفسیات کو مختلف حیثیتوں سے جانچا اور سمجھا جاسکے:

۱۔ غیر طبعی نفسیات (Abnormal psychology)

۲۔ سماجی نفسیات (Social psychology)

۳۔ تعلیمی نفسیات (Educational psychology)

۴۔ طبی نفسیات (Clinical psychology)

۵۔ بچوں کی نفسیات (Child psychology)

غیر طبعی نفسیات

روز اوّل سے ہی انسان کی کوشش رہی ہے کہ وہ اپنی ذہنی پریشانیوں نیز انفرادی اور اجتماعی مسائل

کوحل کرسکے تاکہ زندگی آسان ڈھنگ سے بسر ہو اور وہ کسی ذہنی کشمکش میں مبتلا نہ ہونے پائے کیونکہ اس کشمکش کی انتہا سے انسان کے خبطی ہونے کا بھی خطرہ رہتا ہے۔ یہ ذہنی بگاڑ سماج میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کی وجہ سے بھی اکثر ہوتا ہے۔ تغیرِ زمانہ کے ساتھ ساتھ قدریں، رجحانات، رہن سہن کے طریقے بدلے ہیں، جنہوں نے نئے پیچیدہ مسائل کے ساتھ ٹکراؤ، نفسیاتی مخمصہ، ذہنی دباؤ اور خلفشار کو اور بڑھاوا دیا ہے اور جب ان مسائل کے حل یا علاج میں دیر ہوتی ہے تو یہ انسان میں کسی نہ کسی نفسیاتی بیماری کو جنم دیتے ہیں۔ اس حالتِ جنوں کے ذمہ دار صرف سماجی مسائل ہی نہیں بلکہ باہمی تعلقات و معاملات اور جذباتی ردِعمل اور شدید قسم کی حساسیت وغیرہ بھی ہے۔

غیر طبی نفسیات کی تاریخ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ جتنی پرانی انسان کی زندگی اور اسکے تمام تر احساسات ہیں اتنے ہی پرانے یہ نفسیاتی عوارض بھی ہیں۔ یہ سارے ابتدائے زمانہ سے ہی انسان میں مختلف صورتوں میں موجود رہے ہیں۔ جہاں صحت مند زندگی پُرامن ماحول سے مشروط ہے وہیں خارجی اور داخلی تصادم بے شمار انتشار اور نفسیاتی الجھنوں کو جنم دیتے ہیں۔

عہدِ پارینہ میں Abnormality کے بارے میں یہ تصور پایا جاتا تھا کہ انسان کی خلاف معمول حرکتوں اور اسکے خبطی ہونے کا ذمہ دار وہ خود نہیں بلکہ کوئی غیر مرئی مخلوق ہے۔ توہم پرست لوگوں کے مطابق اگر اس مریض سے اچھی حرکتیں سرزد ہوتیں تو اچھی روح کا اس کے پیچھے ہاتھ مانا جاتا اور اگر اوچھی حرکتیں اس سے صادر ہوتیں تو بری روح کی کارستانی سے اسے تعبیر کیا جاتا تھا۔ اسکے علاج کی صورت Exorcism تھا یعنی جھاڑ پھونک، تعویذ، گنڈا، بھوکا رکھنا، مارنا، پیٹنا، آگ سے جلانا وغیرہ۔

روم اور یونان میں لوگوں نے توہم پرستی کے برخلاف ایسی صورت حال سے نمٹنے کے لیے اسکا علاج عقل اور فلسفے کی روشنی میں ڈھونڈنے کی کوشش کی۔ اس سلسلے میں پہلا نام جو لیا جاتا ہے وہ ہپوکریٹس (Hippocrates460-377.B,c) کا ہے۔ اس نے ان مروّجہ طریقوں کی مذمت اور تردید کی۔ اس نے بتایا کہ دماغ تمام افعال کا مرکز ہے، اور ایسی صورتِ حال دماغ میں فساد آجانے کی وجہ سے ظہور میں آتی ہے۔ ہپوکریٹس ہی پہلا وہ شخص بھی ہے جس نے ان نفسیاتی عوارض کی تقسیم کی شروعات کی تھی۔

اختلالِ حواس کے تدارک کے حوالے سے انگلستان کا نام اہم ہے۔ اٹھارویں صدی کے ربعِ

آخر میں سینٹ لیوک کی اصطلاحات میں پاگلوں کو زنجیروں سے باندھنے کے طریقے کو ختم کیا گیا اور پاگل خانوں کی صورتِ حال کو تبدیل کرنے پر توجہ دی گئی۔ان سنجیدہ کوششوں سے اچھے نتائج ملنا شروع ہو گئے۔اسی عہد میں غیر طبعی نفسیات کا مطالعہ سائنسی بنیادوں پر کیا جانے لگا۔اس ضمن میں سائنس کی ایک شاخ معالجاتِ نفسی (سائیکیٹری) کے نام سے متعارف ہوئی۔

انیسویں صدی میں ماہرین نفسیات نے نفسیاتی جنون کو توہم پرستی اور مذہب سے الگ کر کے دیکھا اور ہر چیز کا مطالعہ تجربے اور مشاہدے کی روشنی میں کرنے کی کوشش کی۔اسی زمانے میں دماغ (Brain) کی ساخت اور اسکی تشریح کو خاصی اہمیت دی گئی۔ جسے بعد میں فرائڈ (Freud) کرپلن (Kraepelin) اور ینگ (Jung) کی تحقیقات نے مزید فروغ دیا۔جیمس اینگل(James Angell) نے ۱۹۱۰ء میں نفسیات کی تعریف اس طرح بیان کی ہے:

> "All consciousness everywhere normal or abnormal, human or animal,is the subject matter which the psychologist attempts to describe or explain and no defination of his science is wholly acceptable,which designates more or less than just this"(4)

خلاصہ کلام یہ کہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ جنونی حالت کی وجہ سے دماغی خلل،تشویش،تصادم،ذہنی انتشار وغیرہ ہو سکتے ہیں۔اس کو تین حصوں میں منقسم کیا جا سکتا ہے:

۱۔حیاتیاتی اسباب (Biological causes)

۲۔نفسیاتی اسباب (Psychological causes)

۳۔سماجیاتی اسباب (Sociological causes)

سماجیاتی اسباب کا تعلق انسانی بدن کے کسی عضو میں کوئی خرابی آنے سے واقع ہوتا ہے۔جس کا نتیجہ اسکے افعال میں فرق آنا ہے۔اس سے احساسات وخیالات بھی متاثر ہوتے ہیں۔نفسیاتی اسباب میں خود انسان کا ذہن کوئی خرابی پیدا کرنے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔جبکہ سماجایاتی اسباب میں سماج میں رونما ہونے والی تبدیلیاں،حوادث ایسی خلافِ معمول کیفیت کو پیدا کر دیتے ہیں۔

دماغی خلل کے مریض میں ہمہ وقت ایک سے زیادہ علامات پائی جاسکتی ہیں کیونکہ اس کے شعور اور لاشعور میں کشمکش کی صورت زیادہ ہوتی ہے۔چناچہ فرائڈ اور یونگ دونوں اس خیال کے حامی ہیں کہ اس مرض کی حالت میں مریض کا لاشعور اس کے شعور پر حاوی آجاتا ہے۔لہذا شعور کے بسبب نفسیاتی مریضوں میں مندرجہ ذیل خصوصیات پائی جاتی ہیں:

ا۔ان میں ادراک کی استعداد کم ہوتی ہے اس وجہ سے حواس خمسہ سے جو معلومات بھیجے کو موصول ہوتی ہیں انکو محسوس کرنے میں دقت آتی ہے۔

۲۔ایسی حالت میں مریض ذہنی طور پر بچہ ہوتا ہے اور ایسے لوگ ماحول کے مطابق خود کو ڈھالنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔

۳۔واجبی عقل رکھنے کے باوجود معاش کا بندوبست نہیں کر پانا۔

۴۔ جذبات میں بے وقت تبدیلی کی وجہ سے بے محل حرکات جیسے بے وجہ ہنسنا، پل بھر میں رودینا، محفلوں سے دور بھاگنا، موقع محل سے اکثر بے نیازی دکھانا، جذبات کا بے ساختہ اظہار اور اضطرابیت کا مظاہرہ کرنا۔

۵۔لغو باتیں کرنا اور بہت زیادہ باتیں کرنا۔

۶۔جسمانی کمزوریوں کی وجہ سے سست طبیعت اور بے ڈھنگا پن آجانا۔

۷۔چڑچڑاپن اور جارحیت پسندی کا مزاج بننا۔

۸۔منطقی ربط اور تطبیق دینے میں الجھن آنا اور ضدی پن آجانا۔

ان علامات کو اگر کوئی کسی مریض میں پائے تو مرض سے زیادہ مریض پر توجہ دینی کی ضرورت رہتی ہے کیونکہ نامناسب ماحول اور رویہ مرض کو اور زیادہ بڑھا سکتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوسکتا ہے کہ مریض کے ساتھ رہنے والے بھی کئی مشکلات کے شکار ہوسکتے ہیں۔ اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ Abnormal psychology کوئی اختیاری یا دانستہ چیز نہیں بلکہ دیگر بیماریوں کی طرح یہ بھی ایک بیماری ہے۔

سماجی نفسیات

نفسیات کی ایک اوراہم شاخ سماجی نفسیات ہے۔اس میں فرداور سماج کے باہمی تعلق سے پیدا ہونے والے مسائل کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔یہاں فرد کوایک اکائی کی حیثیت سے دیکھا جاتا ہےاوراولیت سماج کو دی جاتی ہے۔یہ ان تمام متنوع مسائل کا احاطہ کرتا ہےجن کی وابستگی سماج اور فرد سے ہے۔مثلاً ماحول،عادت واطوار،رسم ورواج،فیشن،حکومت،قیادت،ٹیکنالوجی،صنعت وحرفت،فرداور تنظیم کاتعلق وغیرہ۔ان سب کی نمو میں وہ عوامل بھی اثر پذیر ہوتے ہیں جن کاتعلق اندرونِ کائنات سے ہے۔یہ فرد کے ذہن کوبھی کسی نہ کسی طرح متاثر کرکے ہی چھوڑتے ہیں۔اس میں حافظہ،تجسس،احساس،ادراک وغیرہ بھی شامل ہیں۔Gordor Allportنے اپنی کتاب ''Social psychology''میں سماجی نفسیات کے حوالے سے یوں لکھا ہے:

> "Social psychology is a discipline that uses scientific method to understand and explain how the thought, feeling and behaviour of individuals are influenced by the actual,imagined or implied presence of other human beings."(5)

سماجی نفسیات میں اولیت رجحان کوحاصل رہتی ہے کیونکہ بچہ جس ماحول اورگھر میں پروان چڑھتا ہے،تواپنے اردگردتمام اشیااورافراد کے لیےاپنے والدین اور بڑےلوگوں کامثبت ومنفی رویہ دیکھتا ہے۔جواسکی پسنداورناپسند کے جذبات کا سبب بنتا ہے۔عہدِحاضر میں ان دورجحانات کودوحصوں میں بانٹا گیا ہے۔اول وقوفی (Cognitive)دوم کرداری(Behaviouristic)۔وقوفی نظریہ،نظریاتِ ہم آہنگی سےبھی جانا جاتا ہے۔اس سے مراد ہے کہ جب کسی فرد کواپنے خیالات میں عدم توازن اورعدم مطابقت کا احساس ہوتا ہے،تو وہ ان میں تبدیلی لاکرتوازن اورمطابقت حاصل کر لیتا ہے۔اس کے لیےاہم ہے کہ فردایسی صورت حال سے دوچار کرایا جائےجسکی وجہ سے اسے اپنے رجحانات میں ناموافقت کا احساس ہو۔کرداری نظریہ سے مراد یہ ہے کہ رجحان کی تبدیلی کے لیے اس عمل کوتقویت پہنچائی جائے،جس کا

جھکاؤ فرد کے موجودہ میلانِ خاطر کے برعکس ہو تا کہ آہستہ آہستہ موجودہ رجحان کی شدّت کم پڑ جائے۔

سماجی نفسیات میں ایسے رجحانات کا مطالعہ ان اصول وضوابط کے زیرِ اثر کیا جاتا ہے جو معاشرے کے وضع کردہ ہوں۔ ان اصولوں کی پاسداری ہر فرد کی ترقی اور محافظت کا سبب بنتی ہے۔ ان سے اعراض سماج میں باعثِ ملامت سمجھا جاتا ہے۔ لہٰذا لازم ہے کہ سماج کی عائد کردہ پابندیاں ہر فرد اپنے اوپر قبول کرے۔ بعض لوگ جو ان عائد کردہ ضوابط کو من وعن قبول نہیں کر پاتے، انھیں نفسیاتی اُلجھن میں شکار رہنے کا اندیشہ زیادہ رہتا ہے۔ ایسے ہی مسائل سماجی نفسیات کے موضوع بحث ہیں اور ان کا تجزیہ اس کے تحت کیا جاتا ہے۔ سماجی نفسیات کے مقاصد پر V.V.Akolkar نے اپنی کتاب Social Psychology میں اس طرح روشنی ڈالی ہے۔

> "The aims of social psychology is to study the individual,his personality and behaviour in the context of his social environment."(6)

یہ کہنا صحیح ہوگا کہ سماجی نفسیات کسی فرد کے کردار کا تجزیاتی مطالعہ اجتماعیت کے پس منظر میں کرتی ہے۔ اس بنا پر جماعت کی ساخت وکردار کا مطالعہ نہایت اہم ہے۔ عموماً منظّم جماعت کے اراکین اپنے ہدف کو پورا کرنے کے لیے اس طرح ملحق ہوتے ہیں کہ ایک عمل پر بہ آسانی اثر انداز ہو سکے۔ جیسے مذہبی رہنما وغیرہ۔ وہیں دوسری جانب ایک ہی شخص مختلف جماعتوں کا رکن ہوسکتا ہے اور ہر اک جماعت میں منصوبوں کی نوعیت مختلف ہوگی۔ یہ مختلف رویے بھی کبھی کبھی فرد کے اندر کشمکش میں ہیجان کا سبب بنتے ہیں۔ سماجی نفسیات ان جیسے مسائل کے حل تلاش کرتا ہے تا کہ فرد کو اس کشمکش کے بُرے اثرات سے بچایا جا سکے۔

تعلیمی نفسیات

تعلیمی نفسیات کا مقصدِ اولین انسان کے کردار کی تعمیر اور ترتیب ہے، لیکن یہ دونوں جب ہی ممکن ہے جب انسان کی فطری صلاحیتوں سے واقفیت حاصل ہو کیونکہ ہر شخص مختلف ادوار میں مختلف محرکات

سے دوچار ہوتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عمل اور ردِ عمل دونوں پیش آتے ہیں۔ تعلیمی نفسیات ایسے ہی ردِ عمل کا تجزیہ کرتی ہے۔

اس ضمن میں J M Stephens لکھتے ہیں:

"Educational psychology is the systematic study of educational growth or development,In the study of educational psychology we try to ascertain the nature of educational growth,to learn its typical features and to understand the fores which affect it."(7)

تعلیمی نفسیات کی غرض وغایت تعلیم گاہوں میں موثر اور بہتر تعلیم وتربیت فراہم کرانا ہے۔ اس وجہ سے اس کے احاطے میں وہ جمیع مسائل آتے ہیں جن کا راست تعلق تعلیمی ماحول سے ہے۔ اس کا مطمحِ نظر بچے کی ذات اور اس کا کردار ہے۔ عام طور سے تعلیمی نفسیات میں سیکھنے، پڑھنے، لکھنے، یاد کرنے کے اور کردار کے وہ عملی جہات دیکھے جاتے ہیں جو بچوں کی تعلیم وتربیت کے حصول کے لیے کارآمد اور نفع بخش ثابت ہوتے ہیں۔

Robert E.Slain اس تناظر میں لکھتے ہیں:

"Educational psychology is the study of learners, learning and teaching.Its principal focus is on the processes by which information,skills,values,and attitudes are transmitted from teachers to students in the classroom,and on application of principals of psychology to the practice of instruction."(8)

تعلیمی نفسیات کے دائرے میں بچوں کی دماغی حالت، نااہلی، چڑچڑاپن، کند ذہنی، سرکش مزاجی وغیرہ چیزوں سے بحث کی جاتی ہے اور ان جیسے اور مسائل کا حل تلاشا جاتا ہے۔ اس حیثیت سے نفسیات سے متعلق وہ سارے موضوعات ہوں گے، جن کا واسطہ شخصیت اور کردار کی تعمیر سے ہیں۔ ایسے سارے

ابحاث تعلیمی نفسیات کے ذیل میں آئیں گے۔لہذا یہ کہنا درست ہوگا کہ تعلیمی نفسیات سے مراد وہ علم ہے کہ جس میں بچے یا فرد کی دماغی وجسمانی اہلیتوں،موروثی چیزوں،ماحول،شخصیت،اکتسابِ علم ،تدبر وتفکر اوران جیسے اور تدریسی اور غیر تدریسی اُمور وغیرہ پر بحث کی جاتی ہواور جو براہِ راست تعلیم و تربیت سے متعلق ہوں۔

طبی نفسیات

طبی نفسیات کا بنیادی مقصد ایسے ذہنی مریضوں کا علاج ہے جو سماج میں عام لوگوں کی طرح رچ بس نہیں پاتے۔اس میں فرد کی نفسیات کا مطالعہ حقیقی اورفطری ماحول میں کیا جاتا ہے تا کہ شخص کے ذہنی الجھاؤ کا علاج کیا جا سکے۔عملِ تنویم (Hypnotism) اسکے لیے ایک کارآمد طریقہ ہے۔فرائڈ کا اس حوالے سے اہم کردار مانا جاتا ہے۔اس نے کلینکل نفسیات کی افادیت کو بڑھاوا دیا۔علاوہ ازیں اس نے فرد کے کردار پر لاشعور کی کارفرمائی کے حیرت انگیز اُمور کی نشاندہی بھی کی ،تا کہ فرد کے لاشعور کے دریچوں میں جھانکا جا سکے۔Patrick.H.Delcon طبی نفسیات کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> "Clinical psychology focuses on the assesment, treatment and understanding of psychological and behavioural problems and disorders.....clinical psychology attempts to use principal of psychology to better understanding,predict,and alleviate intellectual,emotional,biological,psychological,social,and behavioral aspects of human functioning."(9)

لہذا ہم کہہ سکتے ہیں طبی نفسیات ان ذہنی مریضوں اور ایسے لوگوں کے لیے معاون ثابت ہوتی ہے جو ذہنی اُلجھنوں اور پریشانیوں میں مبتلا رہتے ہیں اور بہتر طریقے سے سماج میں ہم آہنگ نہیں ہو پاتے۔ایسے اشخاص کو پھر سے نارمل زندگی اور آسودگی بخشنا ہی طبی نفسیات کا اہم کارنامہ ہے۔

بچوں کی نفسیات

بچے اپنے آپ میں ایک اکائی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جوں جوں بچے بڑے ہوتے ہیں وہ دوسرے بچوں سے جسمانی اور دماغی نوعیت سے مختلف ہوتے چلے جاتے ہیں۔ ان کی شخصیت پر بھی داخلی اور خارجی عوامل اپنے اثرات ڈالتے رہتے ہیں۔ ان پر ایسے جبلی خصائل بھی اثر انداز ہوتے ہیں، جو ورثہ میں ملے ہوتے ہیں وہ بھی اپنا اصل رخ ظاہر کرنے لگ جاتے ہیں۔

سترھویں صدی میں اس امر پر توجہ دی گئی کہ بچوں اور بڑوں کی نفسیات ایک جیسی نہیں ہو سکتی۔ بچے کی نفسیات کے پسِ پشت اسکی پرورش و پرداخت کا اہم رول رہتا ہے۔ اسی دور میں ڈارون نے بھی اپنی کتاب ''ایک شیر خوار بچہ'' میں اس بات کی جانب توجہ دلائی کہ صحیح پرورش ہی ایک مکمل اور متوازن شخصیت بناتی ہے۔ اس دور میں اس موضوع پر اور بھی کتابیں لکھی گئیں۔ ۱۹۱۷ء میں واٹسن اور اس تحقیق میں شامل اسکے دیگر معاونین نے بچوں کی نفسیات کا مشاہدہ کرتے ہوئے یہ بات سامنے لائی کہ بچوں میں جبلی طور پر تین بنیادی جذبے کارفرما ہوتے ہیں: خوف، غصہ اور محبت۔ تنہائی میں بچہ خوف کھاتا ہے، انکے کھیلوں میں مداخلت انہیں غصہ دلاتا ہے اور تھپکی یا گدگدانا ان میں محبت کا جذبہ اُبھارتا ہے۔ یہ تینوں جذبات بچے کی فوراً پیدائش کے بعد متحرک ہوجاتے ہیں اور باقی ماندہ زندگی کی پوری عمارت انہی جذبات کی بنیاد پر قائم ہوتی ہے۔

ماہرینِ نفسیات کے مطابق نوزائیدہ بچہ جب اپنی ماں کی طرف دیکھتا ہے، تو اسکے دماغ میں برقی رو، ماں کے پیار بھرے چہرے کا عکس بناتی ہے جو تمام عمر قائم رہتا ہے۔ ماں کی گود ہی بچے کا درس گاہ ہوتی ہے اور ماں ہی بچے کی بہترین استاد مانی جاتی ہے، لیکن بدقسمتی سے اگر کوئی بچہ ماں کی محبت اور توجہ سے محروم رہتا ہے تو اس کی نشو و نما پر بُرا اثر پڑتا ہے اور جوں جوں وہ بڑا ہوتا رہتا ہے اس کے اندر مشکلات سے نبرد آزما ہونے کی قوت کم ہوتی چلی جاتی ہے۔ علاوہ بریں خوراک کی کمی یا بدنظمی بھی بچے میں چڑچڑا پن لاتی ہے۔ ماں باپ کا سایہ اور انکی محبت بچے کی شخصیت اور اسکے جذبات پر گہرے اثرات چھوڑتے ہیں ایسے ہی ماں باپ کی بدمزاجی بچہ کی خوبیوں کو خامیوں میں تبدیل کرنے کا سبب بن سکتی ہے۔ بچہ

پیدائش سے تین سال تک زیادہ والدین کے لطف و کرم اور توجہ کا ضرورت مند ہوتا ہے جس سے ایک مثبت اثر بچے کے ادراک وشعور اور ذہانت پر پڑتا ہے۔اس شفقت وتوجہ سے انسانی زندگی کی تعمیر پختہ تر ہوتی جاتی ہے۔

بچوں کی نفسیات کے پس پردہ ان کا دماغ مرکزی کردار ادا کرتا ہے۔نومولود بچے کا دماغ صاف سلیٹ جیسا ہوتا ہے، جس پر چند نقوش ہوتے ہیں۔انہی نقوش پر آئندہ کی زندگی کی بنیاد پڑتی ہے۔بچے کے ذہن میں مضمون تو ہوتے ہیں لیکن الفاظ نہیں ہوتے۔وہ اپنے اردگرد کے ماحول سے اثر قبول کر کے اپنے جذبات کا اظہار کرتا ہے۔بچے کے خصائل ، برتاؤ اور اسکی عادتوں کا تعلق اسکی جبلت اور تسکین جذبات سے ہے، لہذا بروقت توجہ سے بچوں کی نفسیاتی اُلجھنوں میں سدھار لایا جاسکتا ہے۔بعد میں یہی تدبیر بچے کی فطری ضروریات کو پورا کرنے میں معاون ثابت ہوسکتی ہے۔

کھیل کود بچوں کی نشو ونما میں کافی کردار ادا کرتا ہے۔بچے اپنے اندر کے جوش کو ٹھنڈا کرنے کے لیے کھیل کود کا سہارا لیتے ہیں۔عام مشاہدے کی بات ہے کہ اگر بچے کو کھیل کود سے روکا جائے یا اس میں حائل بنا جائے تو وہ غصّہ اور چڑ چڑا پن دکھاتے ہیں۔اسی بنا پر بچے کی اس قوت کو اگر کھیل کود میں لگائیں تو نتائج موثر ومثبت ثابت ہوں گے۔بچوں کی خطاؤں پر ان پر چلانا، حد سے زیادہ شدّت کرنا اور سرد مہری دکھانا ان کے اندر خوف اور اداسیوں کو جنم دیتے ہیں۔اس ردِعمل میں وہ اُس شخص سے نفرت کرنے لگ جاتے ہیں۔یہ ایک فطری عمل ہے کہ بچپن کا خوف عمر بھر انسان کو پریشان کرتا رہتا ہے۔بچے کو بھوت پریت سے اگر ڈرایا جائے تو وہ بڑا ہو کر بھی اکثر اس ڈر سے چھٹکارا پانے میں دشواری محسوس کرتا ہے۔ اس طرح بچہ آس پاس کے ماحول سے بھی متاثر ہوتا رہتا ہے۔اسکی محبت، نفرت یا خوف کسی کے تئیں اسکے برتاؤ کی تشکیل میں اہم کردار نبھاتے ہیں۔اس لئے بچوں کی سرزنش میں بڑے احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے مبادا انکے اندر خوف ودہشت انکی نفسیات کو بری طرح متاثر کرتے ہیں۔محبت اور ڈر کا توازن ہمیشہ ان میں قائم رہنا چاہیے۔

جب کوئی بچہ دنیا میں آتا ہے تو قدرت اسے ضرورت کے مطابق شعور اور دیگر حسی سامان کے ساتھ بھیجتی ہے، تاکہ وہ زندہ رہ پائے۔اس کا اعصابی نظام بھی اتنا پختہ ہوتا ہے کہ وہ بیرونی دنیا سے تعلق بنا

پاتا ہے۔آئیں اب ان محرکات وحالات کا جائزہ لیں جو بچوں کو خوف،غلط روش ،جرم اور بے اعتدالی کی طرف دھکیلتے ہیں۔

۱۔والدین کی عدم توجہی یا محبت کی محرومی

۲۔ناقص تربیت اور بداخلاقی وبدنظمی

۳۔جرائم کی خاندانی روایت

۴۔احساس کمتری یا برتری کی بے اعتدالی

۵۔جسمانی یا دماغی ناتوانی کی موروثی روایت

۶۔غربت وافلاس

۷۔ماحول کے بُرے اثرات یا بُری سنگت

۸۔اپنے جنس کی صحیح واقفیت نہ ہونا

۹۔ہر لمحہ کسی کا ڈر یا خطرہ کا اندیشہ رہنا

۱۰۔نشوونما سے وابستہ عناصر جیسے بلوغت کی ہیجانی کیفیت

ایک بچے کی کامیاب زندگی کے لیے توازن اور ہم آہنگی ضروری ہے جو اس بات میں پوشیدہ ہے کہ اس سے کس طرح برتاؤ کیا جاتا ہے اور اسے کیسا ماحول ملتا ہے۔اس لیے ضروری ہے کہ والدین اور بڑے انہیں وہ سب ضروری سامان فراہم کریں جنکے وہ فطری طور محتاج ہیں۔ایسے ہی بچے بڑے ہو کر ایک خوشگوار زندگی گزارتے ہیں اور ذمہ دار شہری بن پاتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

نفسیاتی کشمکش: فرائڈ، یونگ، ایڈلراور اریکسن کی نظریات کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ اور انسانوں کے درمیان اردے کے اعتبار سے یہ فرق ہے کہ خدا جس چیز کے ہونے کا ارادہ فرماتا ہے اسے صرف اتنا کہہ دیتا ہے کہ 'ہوجا' اور وہ چیز ہو جاتی ہے جبکہ اس کے برعکس انسان جو ارادے باندھتا ہے، جو خواہشیں کرتا ہے، ان میں کئی تو ایسی ہیں جو پوری ہو جاتی ہیں لیکن ہزاروں ایسی بھی خواہشیں ہوتی ہیں جو پوری ہونے سے رہ جاتی ہیں اور انسان کا دم بار بار نکالتی ہے۔غالبؔ کے ایک مشہورِ زمانہ شعر سے اس کیفیت کی خوب وضاحت ہو جاتی ہے کہ ؎

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

ایک انسان وقتاً فوقتاً مختلف تصادموں سے گھرا رہتا ہے۔کبھی اسکا تصادم خود کی ذات کے ساتھ اس کے اندر چل رہا ہوتا ہے،کبھی یہ ٹکراؤ سماج کے ساتھ ہوتا ہے،کبھی کسی شخص کے ساتھ،کبھی قدرت کے ساتھ،کبھی مافوق الفطرت عناصر کے ساتھ اور آج کے دور میں تو ٹیکنالوجی کے ساتھ بھی انسان متصادم ہے۔ایسی حالت میں انسان کے اندر مختلف نفسیاتی کشمکشیں جنم لیتی ہیں جس سے ایک انسان کی زندگی پر منفی اور مثبت دونوں طرح کے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ان نفسیاتی کشمکشوں کے اثرات (تعمیری اور تخریبی) ایک ادیب اور شاعر کے فن پر بھی پڑتے ہیں بلکہ یہ کہنا بجا ہوگا کہ سب سے زیادہ اسکی واضح مثالیں ان کے یہاں ہی ملتی ہیں کیونکہ وہ سماج کے ایسے حساس ترین افراد ہوتے ہیں جنہیں اپنے جذبات و تجربات کو سب سے احسن انداز میں ادا کرنا آتا ہے۔یہ کشمکش کسی ادب کے پس پشت محرک کا بھی کام ادا کرتی ہے۔بقولِ قابل اجمیریؔ: ؎

وقت کرتا ہے پرورش برسوں
حادثہ ایک دم نہیں ہوتا

نفسیاتی کشمکش کی وضاحت اور اسکے اثرات کو شرح وبسط سے پیش کرنے کے لیے ضروری ہے کہ مختلف ماہرینِ نفسیات کے نظریات اور انکی آرا سے استفادہ کیا جائے۔اس لیے بالترتیب سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ماہرین کا اس حوالے سے کیا کہنا ہے۔

سگمنڈ فرائڈ

نفسیات میں سب سے انقلاب آفرین شخصیت سگمنڈ فرائڈ کی ذات ہے۔اس نے اپنے فلسفہ سے نفسیات اور ادب کو ایک نئی جہت دی۔سگمنڈ فرائڈ کی پیدائش موراویا (Maravia) میں چھ مئی ۱۸۵۶ء کو ہوئی۔ایم۔ڈی کی سند ملنے کے بعد اس نے آسٹریا کے شہر وائینا (Vienna) میں ڈاکٹری کے پیشے کو اختیار کیا۔اس پیشے میں نفسیاتی عوارض کے ساتھ ان کی ذاتی دلچسپی تھی۔چنانچہ وہ ۱۸۸۵ء میں چارکوٹ سے ملاقات کے لیے فرانس چلا گیا اور اس کے عملِ تنویم (hypnotism) سے متاثر ہو کر اسکے تجربات کا مطالعہ کیا،جسکی وجہ سے یہ حقیقت اس پر منکشف ہوئی کہ ہسٹیریا کوئی عضوی عارضہ نہیں بلکہ ذہنی عمل سے اس کا رشتہ ہے۔فرائڈ نے یہ نظریاتی فلسفہ پیش کیا کہ انسان کو زندگی میں کئی مشکل مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔کچھ واقعات اس کے شعور و تحت شعور کا حصّہ ہوتے ہیں جب کہ بعض واقعات و تجربات اور خواہشات اس کے لاشعور میں سو جاتے ہیں،ایسی خواہشات جب بیدار ہو جاتی ہیں تو ہسٹیریا کی علامت بن کر اُبھرتی ہیں۔

فرائڈ نے ۱۹۰۹ء میں کلارک یونیورسٹی میں ایک لیکچر دیا،جس میں اس نے تحلیلِ نفسی کے حوالے سے اس بات کا اعتراف کیا کہ تحلیلِ نفسی کی دریافت کا موجب وہ خود نہیں بلکہ ڈاکٹر جوزف بریئور Dr Joseph Breuer ہے۔فرائڈ نے ایک وقت تک جوزف بریئور کی طرح ہسٹیریا کا علاج حالاتِ تنویم (hypnotism) سے کیا،لیکن بعض نقائص اور اسکے محدود دائرہ کار کی وجہ سے اس نے اس طریقہ کو ترک کیا اور ایک نئے طریقے،آزاد ایتلاف (Free Association Method) کو متعارف کرایا اور اسکا سہارا لیا۔اس طرح کے طریقے میں جب مریض آزادی سے بولتا ہے تو اس کا ذہن خالی ہو جاتا ہے۔اس مزاحمت کو فرائڈ Resistance کا نام دیتا ہے۔معالج اور مریض دونوں اس طریقے سے مزاحمت کو دور کر کے دبی ہوئی خواہشات کا پتا لگاتے ہیں۔اس طرح کی کارروائی کو فرائڈ سائیکو انالیسس

(Pscho Analysis) یعنی تحلیلِ نفس کہتا ہے۔

تحلیلِ نفس نظریہ کا آغاز فرائڈ کی مشہورِ عالم کتاب ''تعبیر خواب کا نظریہ'' سے ہوتا ہے۔اس کتاب نے پورے عالمِ ادب کو متاثر کیا۔فرائڈ کے نزدیک ہم خواب میں وہی کچھ دیکھتے ہیں جس کا ہم نے مشاہدہ اور تجربہ کیا ہوتا ہے اور خواب بعض دبی ہوئی خواہشات کے اظہار کا بھی ذریعہ ہوتا ہے۔ اصطلاح میں تحلیلِ نفس سے مراد ہے ذہنی مریض کے خیالات کا مطالعہ،جس سے اس کے لاشعور کی گتھیوں کو سلجھایا جاسکے اور مریض کی ذہنی اُلجھن کو کم سے کم تر کیا جاسکے۔ باالفاظ دیگر تحلیلِ نفسی کسی شخص کے ذہن میں مدفون حالات و تجربات سے پیدا شدہ کشمکش کی بازیافت کا نام ہے۔

تحلیلِ نفس کسی فرد کی باہری دنیا سے گزر کر اندر کی دنیا تک رسائی حاصل کرتی ہے۔یہاں معاشرے یا ماحول کے برخلاف فرد کو زیادہ اہمیت حاصل ہے۔یہ انسان کی اُدھوری خواہشات اور اسکی وجہ سے پیدا شدہ اعصابی الجھنوں کو سلجھاتی ہے جن کا براہ راست ربط ذہنی جبریت (Psychie Determinism) سے ہے اور یہ جبر یا دباؤ کسی فرد میں اعصاب کی ان لاشعوری قوتوں کے اثر سے پیدا ہوتا ہے۔جس کی جانب تحلیلِ نفس نے ہمیں رسائی دی ہے۔اس کے توسط سے نہ صرف داخلی تحریکات کی کھوج کی جاتی ہے بلکہ یہ موقع بھی ملتا ہے کہ لاشعوری خواہشات کو شعور کی سطح پر لاکر قابو کیا جاسکے۔لہٰذا یہ کہنا دُرست ہوگا کہ تحلیلِ نفسی کسی فرد کی شخصیت کے ان پہلوؤں کو روشن کرتا ہے جو اکثر پردہِ اخفا میں رہے ہوتے ہیں۔فرائڈ نے تحلیل نفسی کے نظریے کی بنیاد پر ذہن کے تین حصّے بتائے ہیں:

۱۔شعوری ذہن

۲۔لاشعوری ذہن

۳۔تحت الشعوری ذہن

شعور (Conscious)

فرائڈ کے نزدیک ذہن کا ایک حصّہ شعور ہے۔یہ انسانی ذہن کی وہ سطح ہے،جس کا مواد انسان کی یاداشت میں محفوظ و متحرک ہوتا ہے اور جس تک فرد کی رسائی آسان ہوتی ہے۔شعور کے لغوی معنی علم رکھنے یا عقل کے ہیں۔یعنی انسان کیسے محسوس کرتا ہے، کیسے کسی چیز کے متعلق سوچتا ہے اور وہ سارے

حالات و واقعات، مشاہدات و تجربات، خواہشات و خیالات جن کے بارے میں انسان علم رکھتا ہے یہ تمام اس کے شعوری ذہن سے متعلق ہیں۔ کسی فرد کا شعور موقع و مناسبت سے کام کرتا ہے۔ اس حصّے میں ہونے والی سرگرمی کو عقلی دلائل سے ثابت کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا فرد اپنی شعوری سرگرمی کے لیے اس حصّے یا سطح سے رجوع کرتا ہے۔ اس سطح کی ساری کارروائی منطق فکر سے متعلق ہوتی ہے۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ شعور ذہن کا وہ اہم حصّہ ہے جو خارجی دنیا سے ملحق ہوتا ہے۔

شعور انسان کی ذات یا شخصیت سے بھی وابستگی رکھتا ہے کیونکہ انسان ہر وقت اپنے مسائل کی فکر میں گھرا رہتا ہے اور ان کا حل کھوجنے میں مصروفِ عمل ہوتا ہے نیز تمام چیزوں کے حوالے سے ان میں ربط تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ زبان پر اسی چیز کا ذکر رہتا ہے جسکی فکر دماغ میں چل رہی ہوتی ہے۔ چونکہ انسان کے اندر خیالات کی بہتات ہوتی ہے اور ان میں تبدیلی بھی آتی رہتی ہے لہٰذا شعور صرف ان باتوں کو ہی لیتا ہے جو ضروری ہوں۔ غیر ضروری خیالات کو شعور لاشعور کے خانے میں دھکیل دیتا ہے۔ یہاں یہ بات بھی اہم ہے کہ گردونواح کے حالات کا کافی اثر انسان کی شعوری کاوشوں پر پڑتا ہے۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں ''شعور'' ذہن کے اس حصّے کا نام ہے جس سے ہم پوری طرح واقف ہوتے ہیں اور جو ہماری پہنچ میں ہوتا ہے۔

لاشعور (Un-conscious)

لاشعور انسانی ذہن کی وہ جگہ ہے جہاں ہماری زندگی میں رونما ہوئے تمام حالات و واقعات اور حسرت بھری آرزوئیں بستی ہیں نیز جس تک ہم رسائی حاصل نہیں کر سکتے ہیں۔ اس میں نہ صرف وہ بھولی بسری یادیں ہوتیں ہیں جو ہمارے تجربات کا نتیجہ ہوتی ہیں بلکہ یہ وہ جگہ بھی ہے جہاں وراثت میں ملے ہوئے جذبات و خیالات کا عکس بھی ہوتا ہے۔

فرائڈ کے مطابق لاشعور یادوں کا وہ ذخیرہ ہے جس میں شعور ہر وقت اضافہ کرتا رہتا ہے۔ اسکے ساتھ ساتھ مہد سے لحد تک بھی انسان مختلف ادوار اور مراحل سے گزرتا ہے جسکی وجہ سے اسے بے شمار تجربات لاشعوری طور بھی حاصل ہوتے رہتے ہیں۔ جیسے فطری شرم، بڑوں کا لحاظ، خوف وغیرہ ان کا اظہار اس سے اکثر نہیں ہو پاتا۔ ایسی چیزیں لاشعور کا حصّہ ہو کے بھی اس میں دب جاتی ہیں اور لاکھ خیال

کے باجود فرد کو اس کی آگہی نہیں ہوتی۔

لاشعور انسانی ذہن کا سب سے غالب ترین حصّہ ہوتا ہے۔ یہاں ایسی یادیں بھی ملتی ہیں جو بے نام ہوتی ہیں۔ یہ بھولی بسری یادوں کا قید خانہ ہوتا ہے۔ یہیں سے کچھ خواہشیں بھیس بدل کر بھاگنا چاہتی ہیں جو کبھی ادب تو کبھی خواب کا ذریعہ اختیار کر لیتی ہیں۔ یہ شعور کے متبائن ہے، جسے تنویمی کیفیت کی سطح پر خواہش کی تسکین کر کے اس تحریک کو کم کیا جا سکتا ہے۔ اسی مناسبت سے فرائڈ خواب کو محافظِ نوم کہتا ہے۔ لاشعور کے بارے میں ابن فرید کہتے ہیں:

> ''لاشعور اپنے خیالات کو من وعن پیش کرنے سے معذور ہوتا ہے کیونکہ ذہنی نظام میں اس پر ایک محاسب (censor) بھی مسلط ہوتا ہے جو ہمیشہ ان خواہشات کے اظہار میں مزاحم ہوتا ہے جو خارجی معاشرہ یا ماحول کے لیے عریاں اور رکیک ہوتی ہیں لیکن لاشعور ان کے اظہار کے لئے ہر طرح کے چور دروازے تلاش کرتا ہے اور اصل حقیقت کو توڑ مروڑ کر پیش کرتا ہے۔''(۱۰)

لاشعور، وہ گتھی ہے جس میں انسان کی دبی ہوئی خواہشات اور اس سے متعلق خیالات نہاں ہوتے ہیں۔ فطرتِ انسانی میں یہ بات پوشیدہ ہے کہ وہ خوشگوار باتوں کو یاد رکھنا چاہتا ہے جب کہ ناپسندیدہ خیالات کو وہ پسِ پردہ دھکیلنا چاہتا ہے، لیکن یہی ناپسندیدہ اور ناخوشگوار خیالات بعد میں مختلف صورتوں میں خود کو ظاہر کرتے ہیں۔ یہ اثرات انسان کے کردار وعمل اور افکار کو بُری طرح متاثر کرنے کی قوت رکھتے ہیں۔ بعض اوقات یہ انسانی عمل کا رخ ہی بدل کر رکھ دیتے ہیں۔

لاشعور ذہن کا قوی ترین اور متحرک حصّہ ہوتا ہے۔ یہ سفلگی کے خیالات سے بھرا ہوا ہوتا ہے۔ سماج میں وضع کردہ اصولوں کی وجہ سے انسان کو بعض خواہشوں کو دبانا پڑتا ہے کیونکہ وہ سماج میں رُسوائی یا سزا کا موجب بنتی ہیں، ایسی خواہشیں شعوری سطح پر آنے کے لیے اپنی ہیئت تبدیل کر دیتی ہیں۔ لاشعور کے بارے میں شارب ردولوی روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''لاشعور میں مختلف اور متضاد قسم کی خواہشات ایک ہی وقت میں ایک ساتھ رہتی ہیں۔ وہ ایک اسٹور ہاؤس ہے جس میں تمام قابلِ اعتراض اور مخربِ اخلاق باتیں جمع رہتی ہیں۔ لیکن ان کا آپس میں کوئی ٹکراؤ نہیں ہوتا بلکہ وہ آپس میں تصفیہ کر لیتی ہیں اور جو خواہش بری

ہوتی ہے اس کو محتسب یا سنسر شعور میں آنے سے روک دیتا ہے......لاشعور ذہن کا ایک ایسا حصّہ ہے جس میں گندے، فاسد، غیر اخلاقی، بیہودہ اور جنسی حادثات وخیالات جمع رہتے ہیں......ان خیالات کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ لاشعور کے پردے سے باہر آئیں لیکن سنسر انھیں پیچھے دھکیل دیتا ہے۔"(۱۱)

لاشعوری خیالات کا رشتہ جنسی جبلت سے بھی ہے، جس سے ہر وقت انسان اُلجھا رہتا ہے۔اس کی تسکین کے لیے سماج میں ضابطے متعین ہیں لیکن اگر اسکی بعض خواہشات کے طریقوں پر حد نہ لگائی جائے تو سماج کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے جیسا کہ مغرب میں دیکھا جا سکتا ہے۔ہاں کبھی کبھی ان دبی ہوئی خواہشات کا ارتفاع ہونا بھی ضروری ہے اگر ایسا نہ ہو تو یہ خواہشیں بعض نفسیاتی پیچیدگیوں کو جنم دی دیتی ہیں جیسے ہسٹیریا، نیوراسس اور دیگر اعصابی بیماریاں۔اس لیے یہ کہنا صحیح ہوگا کہ لاشعور ایک متحرک حقیقت ہے جو کسی بھی حالت میں بے حس وحرکت نہیں رہ سکتا۔

تحت الشعور (subconscious)

تحت الشعور انسانی ذہن کی تیسری سطح ہے۔اس میں خواہشات واقعات اور تجربات کا وہ عکس پایا جاتا ہے جو کبھی شعور پر منعکس تھا۔یہ وہ مقام ہے جہاں سے شعور ولاشعور کے مابین آمد ورفت کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔اس میں ایک لمحے کے لیے کوئی خیال شعور کی سطح پر آجاتا ہے تو اسی لحظہ لاشعور کے مقام پر انتظار کرتا ہے۔یعنی ہم جب چاہیں اسے وہاں سے شعور کی جگہ طلب کر سکتے ہیں۔باالفاظِ دیگر تحت الشعور کسی فرد کے گزشتہ تجربات وہیجان کے مسکن کا نام ہے۔

تحت الشعور عدم توجہی کے وقت میں متحرک رہتا ہے۔شاعر یا ادیب اسی قوت کو کام میں لا کر کچھ اپنے خیالات کو تحریری صورت دیتا ہے اور اپنے تخیل کے بسبب اپنی تخلیقی صلاحیت کو پروان چڑھاتا ہے۔الغرض یہ کہ شعور اور لاشعور کے مابین حصّے کو تحت الشعور کہتے ہیں۔

شخصیت کی حرکیات(Dynamics of personality)

فرائڈ کے مطابق شخصیت کا تحرک دو جبلتوں: ایروس (eros)اور تھیناٹوس(thanatos) کے تابع ہے۔پہلی جبلتِ حیات(life instincts)اور دوسری جبلتِ ممات(Death instincts)

ہے۔ یہ دونوں جبلتیں لبیڈو کے دورخ ہیں۔یعنی ہر وہ کام جو انسانی زیست کی ترقی کا ضامن ہو، وہ جبلتِ حیات ہے۔ یہ تلاشِ زیست کا نام ہے، جو محد سے لیکر لحد تک باقی رہتی ہے۔اس کا ظہور تمام زندگی بخش رجحانات یعنی خواہشِ نمو، تخلیقی اظہار، ارتقائی عمل، بقائے نسل، تہذیب اور سب سے اہم محبت وغیرہ میں ہوتا ہے۔فرائڈ تقاضۂ زیست کے مقابلے میں تقاضۂ مرگ کا تصور بھی پیش کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ تمام تعمیری عمل تقاضۂ زیست کا نتیجہ ہے جبکہ تمام تخریبی عمل تقاضۂ مرگ کا۔تقاضۂ مرگ کی تسکین اذیت دہی (sadism) یا اذیت کوشی (masochism) کے جذبات سے ہوتی ہے۔ یہ لبیڈو کی منفی صورت ہے۔ اس کو Morbido بھی کہتے ہیں۔اس میں انسان ہمیشہ منفی خواہشوں کی جانب کشش محسوس کرتا ہے، جیسے جارحیت، ظلم وجبر، استحصال وغیرہ کی طرف۔چنانچہ فرائڈ اس حوالے سے رقم طراز ہیں:

> "Our speculation have suggested that eros operates from the begining of life and appears as a life instinct in oppostion to the death instinct which was brought into being by the coming to life of inorganic substance."(12)

اذیت کوشی اور اذیت دہی میں مبتلا مریض B.P.D کے تحت آتے ہیں۔ یہ ایسا مرض ہے جس میں مریض کو اپنے اوپر کم اختیار ہوتا ہے۔وہ کچھ سوچے سمجھے بغیر کوئی بھی کام کر گزرتا ہے۔

شخصیت کے تشکیلی عناصر (Structure of Personality)

فرئڈ کے مطابق ایڈ، انا اور فوقِ انا انسانی شخصیت کے تین مرکزی جزو ہیں۔ یہ تینوں عناصر انسانی ذہن میں توازن اور عدم توازن کے لیے ذمہ دار ہوتے ہیں۔فرائڈ کے یہاں شخصیت ''ایک متحرک شئے'' ہے جو تینوں حصّوں پر محیط ہوتی ہے۔ان تمام حصّوں میں بعض اوقات اتحاد واشتراک اور توازن بھی رہتا ہے اور کبھی یہ باہم ایک دوسرے سے متصادم بھی ہوتے ہیں اور انتشار کے شکار ہوجاتے ہیں کیونکہ یہ بنیادی طور اپنے اصولوں میں جدا جدا ہیں۔

ایڈ(id)

''ایڈ'' ان تمام قدیم محرکات کا منبع ہے، جو تہذیب وتمدن کی آراستگی سے کوسوں دور ہوتے ہیں۔ یہ حیوانی جبلت، سفلگی اور جنسی قوتوں کا سرچشمہ ہوتا ہے۔ اس حصّے میں وہ فطری خواہشیں متحرک رہتی ہیں جو پوری نہیں ہوئی ہوتی ہیں۔ اس جبلت کا اصل کام خواہشات کی تسکین کرانا ہوتا ہے، تاکہ لذت کا حصول ممکن ہو سکے۔ ایڈ ضدی نوعیت کا حامل حصّہ ہے جسے سماج کے مقرر کردہ اصولوں، اخلاقیات اور عقلیت سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ یہ صرف اپنی لذت پسندی کی طرف دیکھتا ہے۔ یہ ایسی قوت ہے جو انسان کو ہر پل لذت پسندی کے لیے جوش دیتی رہتی ہے۔ اس کا اثر پیدائش سے موت تک جاری رہتا ہے۔

فرائڈ کا نظریہ، جنسی قوت یا لبیڈو کے گرد گھومتا ہے یعنی وہ جنس کی عینک سے سارے مسائل کا حل تلاش کرتا ہے۔ وہ نہ صرف مرد اور عورت کا ایک دوسرے کے تئیں دلچسپی رکھنے کو لبیڈو کہتا ہے بلکہ اس سے پیدا شدہ کشمکش اور شخصیت کے انتشار کو بھی اس کے ساتھ وابستہ کرتا ہے۔ بنیادی طور پر ایڈ کا کام ہی یہ ہے کہ وہ اپنی جبلی خواہش کی تسکین چاہتا ہے، خواہ وہ کسی کی نظر میں کتنا ہی معیوب کیوں نہ ہو۔ ہاں اگر اس جذبے کی تسکین سماجی اور قانونی ضابطوں کے تحت پوری ہو تو شخصیت انتشار اور اُلجھن سے محفوظ رہتی ہے لیکن اگر اس جذبے کو مناسب اور بروقت ماحول میسر نہ ہو تو یہ کئی نفسیاتی پیچیدگیوں کو جنم دیتی ہے اس لیے ایڈ کو نفسی قوت کا مرکز کہا گیا ہے۔ اس کا سارا نظام اصولِ لذت (pleasure principle) کی بنا پر کام کرتا ہے۔ معروضی حیثیت سے اس کا کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ اس سے انسانی تجربہ کی بابت صرف اتنی واقفیت ہوتی ہے کہ وہ درد دیتا ہے یا سکون پہنچاتا ہے۔ لیکن اگر انسان اس پر قابو پائے تو وہ دیگر مخلوقات سے بلند ہو کر اشرفیت کا درجہ پا لیتا ہے۔

فوقِ انا (Super Ego)

فوقِ انا کا رشتہ معاشرتی پابندیوں اور اخلاقی جکڑ بندیوں سے ہے۔ یہ سماج کے اقدار کا نمائندہ

ہوتا ہے۔ جس کی وابستگی جبلی فطرتوں کی کارکردگی سے نہیں، بلکہ اخلاقی اور سماجی ضابطوں کی محافظت سے ہوتی ہے۔ فرائڈ کا ماننا ہے کہ ایڈ کی فطری قوت بچوں میں پیدائش کے وقت سے ہی موجود ہوتی ہے۔ جوں جوں بچہ بڑا ہوتا رہتا ہے اور سماجی و اخلاقی پابندیوں کو سمجھنا شروع کر دیتا ہے ویسے ویسے اس میں فوقِ انا پروان چڑھتی رہتی ہے۔ فوقِ انا کی وابستگی انسان کے اچھے بُرے افعال سے ہوتی ہے جو اس کے اندر سماجی ضمیر (social conscience) کو اُبھارتا ہے۔ اسی سماجی ضمیر کو فوقِ انا یا سپرا یگو کہتے ہیں۔

فوقِ انا انسانی شخصیت کا وہ پہلو ہے جو اخلاقیات سے منسلک ہے۔ یہ حصولِ لذت کی طرف راغب ہونے پر سنسر (censor) لگا دیتا ہے، یعنی ایڈ کو مغلوب کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ فوقِ انا اور ایڈ ایک دوسرے کی ضد ہیں اور باہم متصادم ہوتے رہتے ہیں اور دونوں انسانی فطرت کو محکوم کرنے کی سعی میں رہتے ہیں۔ فوقِ انا انسان کو منظم رکھنے کی کوشش کرتا ہے کہ وہ صرف جنسی تسکین اور شکم پروری پر ہی کہیں قانع نہ ہو جائے۔ یہ انسان کو سماج کے اخلاقیات سے جوڑتی ہے۔ فرائڈ نے فوقِ انا اور ایڈ کے تصورات کو بنیادی جبلت مانا ہے کیونکہ متوازن شخصیت میں یہ دونوں قوتیں پرزور عمل کی طرف جھکاؤ رکھتی ہیں۔ فوقِ انا ایک منصف کی طرح اچھے اور بُرے اور نیک و بد کے مابین فیصلہ کرتا ہے۔

انا (Ego)

انا کا تعلق حقیقت پسندی سے ہے۔ یہ ایڈ اور فوقِ انا کے مابین ربط قائم رکھتا ہے اور بیرونی دنیا سے وسیلے کے طور پر کام کرتا ہے۔ فرائڈ ایگو یا انا کو سب سے اہم بتاتا ہے۔ چنانچہ ساجدہ زیدی فرائڈ کے بتائے ایگو کی اس طرح وضاحت کرتی ہیں:

> ''فرائڈ کا انسان اس کشمکش کے دباؤ سے اپنے حواس کھو بیٹھتا ہے۔ یعنی شدید دباؤ اور تصادم
> کی صورت میں وہ کسی نہ کسی قسم کے ذہنی مرض یا ''نیوروسس'' کا شکار ہو جاتا ہے۔ اور یہ
> صورت زیادہ عالم گیر ہوتی اگر ان دونوں کی درمیانی کڑی ''ایگو'' نہ ہوتی۔'' (۱۳)

انا ایڈ اور حقیقی دنیا کے مابین ثالثی کا کام کرتی ہے۔ یہ ایسے راستے کی تلاش میں رہتی ہے جہاں سماجی تقاضے بھی پورے ہوں اور خواہشاتِ نفسانی بھی پوری ہو جائیں۔ ایگو حقیقت پسندی کے اصول (Reality principle) پر کام کرتی ہے۔ اس بنا پر اس کا تعلق شعور اور لاشعور دونوں سے ہے کیونکہ یہ

ایسی خواہشات کو لاشعور کی اور دھکیل دیتی ہے جو سماج کے لیے مضر ہوتی ہیں یا معیوب سمجھی جاتی ہیں۔ ایگو خواہشات کو پورا کرنے کے لیے ایسے راستے تلاش کرتی ہے جو مناسب، محفوظ مگر لذت بخش ہوں۔

ایگو کا اہم کام وسائل و نتائج کی جستجو کرنا ہے، جو فوق انا کے امور پر نظر رکھتی ہے۔ ایگو کا کام نہ خواہشِ نفس کو مقید کرنا ہے نہ ہی مکمل آزادی دینا ہے، بلکہ یہ توازن میں دونوں کو رکھتی ہے۔ اگر اسکے برعکس صورتِ حال ہو جائے تو فرد اپنی خواہشات کو مریضانہ یا نیوراتی طور سے پورا کرنے کی کوشش کرے گا۔ ایسے غیر فطری طریقے سے لیکن انسانی شخصیت مسخ ہو کر رہ جاتی ہے، جس کی انتہائی صورت دیوانگی (Psychosis) ہو سکتی ہے۔ ایسی صورت میں ان کا ارتفاع (Sublimation) لازمی بن جاتا ہے۔

ایگو اور عقل کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ یہ اِڈ کی تصریحات کی چھٹک کرتی ہے اور سپر ایگو کے قدامت پرستانہ اور رواجی جبر سے مغلوب نہیں ہوتی، تا کہ 'انسان اور سماج' دونوں آسودہ رہیں۔ جس شخص کا انا یا ایگو کمزور ہوتی ہے وہ مسلسل کشمکش میں مبتلا رہتا ہے اور اپنی غلطیوں کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے۔ دراصل ایگو کا کام سماجی ہم آہنگی پیدا کر کے نقصان رساں لاشعوری اور اضطراری تحریک کو دریافت کر کے آنے والے اندیشوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے فرد کو تیار کرنا ہے۔

فرائڈ انسانی شخصیت کے حوالے سے دو جبلتوں پر زیادہ زور دیتا ہے: سادیت (Sadism) اور مساکیت (Mosochism)۔

سادیت سے مراد ایذا رسانی ہے یعنی کسی کو تکلیف پہنچا کر ہیجانِ شہوانی کو تشفی بخشنا۔ ماہرینِ نفسیات کے مطابق ایذا رسانی ایک نفسیاتی اور جنسی بیماری ہے، جس سے انسان اوروں کو ایذا پہنچا کر خوشی محسوس کرتا ہے۔ اسی کی نقیض مساکیت ہے۔ یہاں فرد خود کو ہی ایذا دے کر خوش ہوتا ہے۔ ان دونوں کی واضح مثال مرد و عورت کا جنسی عمل ہے، جہاں مرد عورت کو ایذا دے کر خوشی پاتا ہے تو وہیں دوسری جانب عورت ایذا برداشت کر کے آسودگی محسوس کرتی ہے۔ سادیت کو ایک وسیع مفہوم میں بھی لیا جا سکتا ہے جیسے قومی اور سیاسی تناظر میں۔ ایسے ہی مساکیت بھی جنس کے علاوہ مختلف نوع کی ہوتی ہے مثلاً محرومی کا احساس، اپنے غموں کو پالنا وغیرہ۔ فرائڈ کے نظریے کے مطابق ان دونوں متضاد جبلتوں کی اساس 'حرکی تعلق' ہے، جو ایک دوسرے میں وقت کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔

نفسی جنسیاتی نشوونما (Psycho-sexual-Development)

فرائڈ نے تحلیلِ نفس کی بنیاد پر جس قوت کوسب سے اہم مانا ہے وہ محبت پر قائم ہے۔ پھر چاہے یہ کسی بھی شئے سے ہو جیسے انسان، تصورات، یا غیر جاندار چیزوں سے۔ انسانی زندگی میں جنسی نشوونما کی کئی منزلیں طے ہوتی ہیں جو فرائڈ کے نزدیک پانچ ہیں۔ ان کی مختصر تفصیل نیچے درج کی جاتی ہے:

ا۔ دہانی منزل (Oral Stage)

جنسیاتی نشوونما کی پہلی منزل دہانی ہے۔ اس کا زمانہ پیدائش سے لیکر ۱۸ ماہ تک کا ہوتا ہے۔ جب بچہ مختلف حرکات کے ذریعہ اپنی خواہش کو ظاہر کرتا ہے ایسی صورت میں اسکی جنسی جبلت صرف منہ تک محدود رہتی ہے۔ مثلاً ماں کا پستان چوسنا، انگوٹھا چوسنا یا ہر چیز منہ میں لینا وغیرہ۔ اس لیے دہن کے ذریعے جنسی خواہش کی تسکین کو دہانی شہوت کی منزل (Oral Erotic Stage) کہتے ہیں۔

۲۔ برازی منزل (Anal-Stage)

یہ نفسی جنسیاتی کی دوسری منزل ہے۔ اس کا زمانہ ڈیڑھ سے ڈھائی سال کی عمر تک محیط ہوتا ہے۔ اس منزل میں بچہ اپنی خواہش پر قابو پانا سیکھنے لگ جاتا ہے۔ مثلاً پیشاب کو روکنا وغیرہ۔ علاوہ ازیں وہ اپنی خواہش کا اظہار کئی طریقوں سے کرتا ہے۔ مثلاً اپنے جنسی اعضاء کو چھیڑ کر خوش ہونا، کسی کو کاٹنا، بول و براز کر کے خوش ہونا اور کھلونے سے دل بہلانا وغیرہ۔ اس منزل میں بچہ وہی کرتا ہے جس سے وہ خوش ہوتا ہے۔ یعنی اس میں بچے کی تمام تر دلچسپیاں اپنے مقصد سے ہوتی ہیں۔

۳۔ عضویاتی منزل (Phallic Stage)

عضویاتی منزل تیسری منزل ہے۔ اس کا زمانہ تین سے چھ سال تک رہتا ہے۔ اس منزل میں مرکزِ دلچسپی عضوِ تناسل ہوتا ہے۔ بچہ ان اعضا کو چھو کر خوش ہوتا ہے۔ ماں اگر بچے کو تھپتھپا کر سلائے تو اسے جنسی لذت ملتی ہے۔ علاوہ بریں اس زمانے میں لڑکا اور لڑکی جنس کا صحیح اندازہ نہ ہونے کی وجہ سے بیک وقت جنسی خواہش اور الجھن سے گزرتے ہیں۔ انکی جنسی مرکزیت اور لذت کا ذریعہ والدین کی

ذات ہوتی ہے۔فرائڈ نے اس خواہش اور اُلجھن کو اوڈیپس گرہ(Oedipus Complex)اور الکٹرا گرہ(Electra complex)کے ناموں سے موسوم کیا ہے۔اس دور میں لڑکیوں کی رغبت باپ کی طرف زیادہ ہوتی ہے اور لڑکوں کی ماں کی طرف ۔لڑکوں کی ایسی رغبت اوڈیپس اُلجھن کہلاتی ہے اور لڑکیوں کا باپ کی طرف میلان الکٹرا کومپلکس اُلجھن کہلاتا ہے۔یہ دونوں اصطلاحات یونانی دیومالا سے ماخوذ ہیں۔

۴۔دورِنہانی(Latency Period)

یہ دور چھ سے تقریباًبارہ سال تک کا عرصہ ہے۔اس عرصے میں جنسی حرکات عیاں نہیں ہو پاتے ہیں بلکہ نہاں رہتے ہیں اور کوئی واضح رجحان سامنے نہیں آپاتا ہے۔بچہ یہ محسوس کرنے لگ جاتا ہے کہ ماں باپ کی طرف رغبت اور جنسی میلان کافی نہیں ہے لہذا وہ اپنی دیگر صلاحیتوں کو بروئے کار لاتا ہے اور اپنا ذہن کھیل کود، پڑھائی لکھائی جیسے کاموں میں لگاتا ہے۔

۵۔تناسلی منزل(Genetal Stage)

پانچویں اور آخری منزل بلوغت کے بعد شروع ہوتی ہے۔اس میں ہر فرد جنسی لذت کے حصول کی خاطر مخالف جنس کی طرف راغب ہونے لگتا ہے۔یہاں محبت کے نرم و نازک جذبات بھی شامل ہوتے ہیں۔اس زمانے میں لڑکا اور لڑکی کشش کے ساتھ ایک دوسرے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں کیونکہ دونوں اس بات کے اہل ہوتے ہیں کہ اپنے مثبت و منفی نظریے کو پیش کر سکے۔جیسے ماں باپ سے بے احتیاجی یا دوسروں کے مقابلے میں اپنی آرا پیش کرنا وغیرہ۔بلوغت کے بعد کی منزل میں چونکہ دونوں افزائشِ نسل کے قابل ہوتے ہیں اس وجہ سے فرائڈ اسے تناسلی شہوت کا دور(The Genetal Phase)کہتا ہے۔

فرائڈ کا یہ کارنامہ ہے کہ اس نے انسانی شخصیت کے عمیق پہلوؤں تک رسائی حاصل کی ہے۔اس کے یہاں جن تصورات پر سب سے زیادہ زور ملتا ہے،وہ نکات ذیل میں درج کئے جا رہے ہیں:

ا۔انسان کے اندر بے شمار اعمال وافعال لاشعور کے حصّے میں نہاں رہتے ہیں جن کا ادراک اسے خود بھی نہیں ہوتا۔ان کا ارتفاع ضروری ہے جو خواب یا علاماتِ خواب کے استعمال سے ہوسکتا ہے۔

۲۔سِن بلوغت کے جو کئی مریضانہ افعال نیوراتی علامتیں اور کامپلکس ہیں، وہ طفلی جنسیت کے غلبے یا مزاحمت کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

۳۔جنس انسان کا بنیادی محرک ہے، اس میں اوڈیپس الجھن یا الیکٹرا کامپلکس کے مختلف محرکات کے مظاہرے عمل میں آتے ہیں۔

۴۔فرائڈ نے تحلیلِ نفس کا جو نظریہ سامنے لایا ہے، اُس میں آزاد تلازمۂ خیال کو بہتر تصور مانا گیا ہے۔

کارل گسٹو یونگ(Karl Gustav Jung)

فرائڈ کے مقلدین میں سب سے اہم نام یونگ کا ہے۔اگر چہ اس نے فرائڈ کی دریافت کا اعتراف کیا ہے اور اسکے نظریے کو بعض جگہ صحیح مانا ہے تاہم بعض نقائص کی طرف یونگ نے توجہ دلا کر کئی معلا ملات میں بیش بہا اضافہ بھی کیا ہے۔یونگ تحلیلِ نفس کے نظریہ سے متاثر تو ہوا لیکن اس نے دبی ہوئی خواہشوں اور نفسیاتی الجھنوں کا تجزیہ کرنے کے لیے اس میں تلازماتی امتحان(Association Test) کا اضافہ بھی کیا جسے تجزیاتی نفسیات (Analytical Psychology) کہتے ہیں۔فرائڈ صرف جنسی توانائی کو لبیڈو کہتا ہے جبکہ یونگ متفرق توانائیوں کو بھی لبیڈو میں شمار کرتا ہے۔یونگ کے نزدیک انسانی زندگی میں اس کا اظہار مختلف طریقوں سے ہوتا ہے اور جنسی توانائی بھی اس کا ایک حصّہ ہے۔انسانی شخصیت جس توانائی کو بروئے کار لاتے ہوئے نفسیاتی فرائض سرانجام دیتی ہے، وہ نفسی توانائی کہلاتی ہے۔یونگ کا نظریہ یہ ہے کہ انسان کی جمیع نفسی توانائیوں کا اظہار لبیڈو ہے۔مثلاً انسان کی کوششیں، ارادے، خواہشیں، مرضی، حقیقی قوت وغیرہ۔جوانی میں نفسی توانائی زیادہ تر جنس سے متعلق ہوتی ہے۔یونگ کا خیال ہے کہ لبیڈو وہ حیات بخش توانائی ہے جس کے جملہ مظاہر فطرت میں نہاں ہیں اور جنسی جبلت محض اس کا ایک حصّہ ہے جو ایک تخلیقی توانائی ہے۔یونگ کے مطابق جنس بھی دیگر محرکات کی طرح ایک حیاتیاتی قوت کا منبع ہے۔یونگ کا یہ نظریہ فرائڈ کے تصورِ ایروس اور برگساں کی حیاتیاتی قوت (Elan

Vital) سے بھی قدرے مشابہت رکھتا ہے۔

یونگ نے فرائڈ کی تحقیق ''شعور و لاشعور'' میں مزید اضافہ کرتے ہوئے اور اسکو واضح کرتے ہوئے بتایا کہ لاشعور بعض مکرہ خواہشات کا گودام نہیں، بلکہ یہ جمیع تخیلی زندگی، وجدانی بصیرت، الہامات اور عاقبت بینیوں کا منبع ہے۔ اس میں ہماری ذہنی حیات کی ساری جبلی محرکات کے ساتھ ساتھ ضبط شدہ رجحانات بھی شامل ہوتے ہیں۔ یونگ کے مطابق انا(Ego) شعوری ذہن ہے، جس میں شعوری خیالات واحساسات، شعوری وجدان وادراک اور شعوری یادیں پائی جاتی ہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ شعور بیک وقت صرف کچھ خیالات کو ہی قبول کرتا ہے باقی لاشعور کی طرف منتقل ہو جاتی ہیں۔ یونگ لاشعور کو دوحصّوں میں تقسیم کرتا ہے:

۱۔ انفرادی لاشعور (Individual Unconsciousness)

۲۔ اجتماعی لاشعور (Collective Unconsciousness)

انفرادی لاشعور کا سارا موادسطحِ شعور کے زیریں ہوتا ہے۔ یہاں ان سارے تجربات واحساسات کے آثار پائے جاتے ہیں جو کبھی شعور کے جزو تھے اور کسی باعث سے انھیں نکال دیا گیا تھا۔ اس میں وہ ادھوری تمنائیں اور حسرتیں بھی داخل ہیں، جو کبھی حصولِ زندگی کا درجہ رکھتی تھیں۔ انفرادی لاشعور ایسی ہی ساری باتوں کا مجموعہ ہے۔

اجتماعی لاشعور نام ہے مشترکہ جذبات وخیالات کے مجموعے کا۔ اس میں وہ سارے فطری رجحان وفکروعمل اور احساس داخل ہیں جو کسی فرد کا حاصلِ زندگی نہیں ہوتے بلکہ یہ قدیم آباءاجداد سے منتقل شدہ تجربات وروایت کا مجموعہ ہوتا ہے۔ یہ نوعِ انسانی کا مشترکہ لاشعور ہے جو علی الرغم انفرادی لاشعور کے زیادہ توانا اور فعال ہوتا ہے۔ اس میں بعض اعمال کے مخفی اشارے بھی ہوتے ہیں جو یاداشت کا سرچشمہ ہوتے ہیں اور جنھیں امکانی توانائی بھی کہا جاتا ہے۔ مثلاً فطری خواہشوں کو گویائی دینا، اچانک گھٹنوں کے بجائے پیروں سے چلنے لگ جانا وغیرہ۔ انسانی ماحول میں رہ کر جانور ایسا کرنے سے عاجز ہوتے ہیں جب کہ انسان کسی بھی ماحول میں رہا ہو، اپنے جنس کے ساتھ بنیادی فطرتوں اور حرکات وسکنات میں مشابہ ہوتا ہے اور ایک ہی ترتیب کے منازل طے کرتا ہے۔ نوعِ انسانی کے اس نظام کو یونگ نے آرکی

ٹائپ (Archetype) کہا ہے۔ آر کی ٹائپ سے مراد یونگ یہ لیتے ہیں کہ انسانی شعور سے بالاتر بھی کوئی قوت ہے، جسکے پس پشت اجتماعی لاشعور کارفرما ہوتا ہے۔ اس کے نزدیک اجتماعی لاشعور انسان کی فنی تعمیری وتخریبی قوت کا مرجع و ماخذ ہوتا ہے۔ یعنی یہی وہ چیز ہے جو ایک گرہ کو تحریک دیتی ہے یا فن کار کو کچھ لکھنے کے لیے اُکساتی ہے۔ فن کار بھی اپنے آپ کو حظ پہنچانے کے لیے دیومالاؤں اور داستانوں کی مدد لیتا ہے اور اجتماعی لاشعور پر پڑے پردے کو ہٹاتا ہے۔ یونگ کے آرکی ٹائپ پر ساجدہ زیدی روشنی ڈالتے ہوئے لکھتی ہیں:

> ''انسانی سائیکی میں آرکی ٹائپ کا وجود انسانی روح کے مماثل ہے۔ یونگ کا آرکی ٹائپ کا تصور جبلت کا تضاد ہے۔ جبلت کا مقصد تسکین خواہش اور لذت وآسودگی حاصل کر کے تحریک کو ختم کرنا ہے، جب کہ آرکی ٹائپ کا مقصد جبلت سے ماورا ہو کر روحانی تسکین حاصل کرنا ہے، جس کی تحریک کبھی ختم نہیں ہوتی۔ آرکی ٹائپ اگرچہ جبلت کا تضاد ہے، لیکن جبلت کے ارتقائی عمل میں جبلت کا معاون اور رہنما ہے..... نفسیاتی نقطہ نظر سے آرکی ٹائپ جبلت کی شبیہہ کی حیثیت سے وہ منزل ہے، جس کی طرف تمام انسانی فطرت کا رخ ہے، یہ وہ سمندر ہے جس میں تمام دریا آکر ختم ہوتے ہیں۔'' (۱۴)

یونگ کے سر اجتماعی لاشعور کی دریافت کے ساتھ ساتھ ایک اور دریافت کا سہرا بھی جاتا ہے۔ اس نے انسانی شخصیت میں دو ایسے رجحانات کی دریافت کی ہے جو نہایت قوی الاثر ہیں۔ وہ انسان کو عادات واطوار کی بنیاد پر دو حصّوں میں تقسیم کرتا ہے:

۱۔ دروں بیں شخصیت (Introvert Personality)

۲۔ بیروں بیں شخصیت (Extrovert Personality)

دروں بینی مطالعہ باطن کو کہتے ہیں۔ اس میں انسان اپنے من میں ڈوب کر غور وفکر کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کے خیالات، دلچسپیاں اور قدریں اپنے تجربات کے ارد گرد گھومتی ہیں۔ وہ اپنی جذباتی توانائی کا رخ اپنی داخلی دنیا کی طرف موڑ دیتا ہے۔ دروں بیں کھل کر اپنے جذبات واحساسات کو ظاہر کرنے میں دقت محسوس کرتا ہے، وہ کم بولنے والا، نازک طبع اور شرمیلا ہوتا ہے۔ ایسے افراد دوست پرور یا دوست گری کی عادت نہیں رکھتے۔ وہ محفلوں سے دور رہتے ہیں اور ان سے گھبراتے ہیں۔ وہ

خلوت پسند ہوتے ہیں اور اپنے غموں کو اکیلے پالنے والے ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا برتاؤ، اعمال و خیالات مختلف نوعیت کے ہوتے ہیں۔ عام انسانوں میں بیک وقت دونوں ہی طرح کے رویے موجود ہوتے ہیں۔ اس میں ایک رویہ شعوری قسم کا ہوتا ہے اور دوسرا لاشعوری قسم کا، جو انسان کی شعوری زندگی کو متاثر کرتا ہے۔

دروں بیں شخصیت کے برخلاف بیروں بیں طبیعت کی قسم بھی ہوتی ہے۔ اس میں انسانی شخصیت کا جھکاؤ خارجی دنیا کی جانب زیادہ ہوتا ہے۔ بیروں بیں شخص خلوت کے برعکس جلوت کو پسند کرتا ہے۔ وہ اپنے خیالات، احساسات اور جذبات کا بے باکانہ اظہار اور تشہیر کرتا ہے۔ ایسا شخص جلدی دوست بنا لیتا ہے لیکن اسکی دوستی اتنی پائیدار اور مضبوط نہیں ہوتی ہے۔ بعض منفی حالات میں ان میں چاپلوسی اور خوشامد بھی جنم لیتی ہے۔ ایسا شخص مشاہدہ باطن کرنے سے محروم رہتا ہے اور معروضیت کی طرف زیادہ جھکاؤ رکھتا ہے۔ حاصلِ کلام یہ ہے کہ دروں بیں داخلی دنیا کی طرف اپنی جذباتی قوت کو موڑ دیتا ہے جب کہ بیروں بیں کی دلچسپی کا مرکز و محور بیرونی ماحول ہوتا ہے۔

یونگ انسانی شخصیت کو صرف دروں بیں اور بیروں بیں کی نظر تک ہی محدود نہیں رکھتا، بلکہ اس نے کارکردگی کے لحاظ سے انسانی شخصیت کو چار حصّوں میں بانٹا ہے۔ فکری، وجدانی، جذباتی اور حسی۔ انسانی طرزِ حیات کی تشکیل میں جو چار رجحانات پائے جاتے ہیں ان میں صرف ایک شعوری ہوتا ہے باقی سب لاشعوری ہوتے ہیں۔

ا۔ فکر (Thinking)

اس میں ہر چیز کا تعلق انسان کے ذہن سے ہوتا ہے جیسے سوچ، خیالات، اعمال، اشیا کا انتخاب، دلچسپیاں وغیرہ جس سے اسکی فکر پر اثر پڑتا ہے۔ ایسے لوگ تعقل پسند یا عقل کے تابع ہوتے ہیں اور ہمیشہ خود کو فکر و عقل کی کسوٹی کے پیمانے سے جانچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ لوگ جذبات کو قابو کرنے کا ہنر رکھتے ہیں اور کسی بھی جذبہ کو فکر و عمل کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ایسے لوگ بہت بڑے عالم و محقق بننے کی

صلاحیت رکھتے ہیں۔ایسے افراد زندگی کے ہر میدان میں اور ہر کام میں سنجیدگی سے کام لیتے ہیں۔ان میں صبر وضبط کی سرشت غالب ہوتی ہے۔ یہ معروضی حقائق سے زیادہ رغبت رکھتے ہیں۔جس کی مثال فلسفی یا سائنس داں ہیں۔

۲۔وجدان (Intuitive)

یونگ کے نزدیک وجدانی قوت نہایت اہم شئے ہے۔ وہ اسے روحانی قوت کے مماثل قرار دیتا ہے۔ جب نفس کے مخفی اسرار ورموز جن تک عقل وحکمت کی رسائی عاجز آجائے اور جہاں حواس خمسہ اور تفکر کام نہ دے، وہاں وجدان کو اہمیت حاصل ہو جاتی ہے۔ برگساں نے بھی اپنی ذات سے نزدیک ہو جانے کو وجدان کا نام دیا ہے اور ایسے ہی اقبال کا نظریہ تصورِ عشق بھی وجدانی قوت کا دوسرا نام ہے۔عموماً انسان کسی شئے کو سمجھنے کے لیے دو راستے اختیار کرتا ہے،اول فکر دوم وجدان۔مثلاً فلسفی اور سائنس داں دلائل کی روشنی میں شواہد کو عقل کی بنیاد پر پرکھتے ہیں یہ طریقہ معروضیت کا ہے۔اس کے بالعکس صوفی اور شاعر اپنی موضوعی اور داخلی فکر کو وجدان کے وسیلے سے پیش کرتے ہیں۔ اس طرح حقیقت تک پہنچنے میں دونوں کا طریقہ کار مختلف ہوتا ہے۔ یہاں نہ فلسفی اور سائنس داں کو وجدان کی کسوٹی پر پرکھا جا سکتا ہے نہ ہی صوفی اور شاعر کو عقل ودلائل کی کسوٹی پر، کیونکہ تخیل شاعری کی بنیاد ہے،اس کا ادراک وجدان سے ہی ممکن ہے۔

وجدانی قوت جہاں روحانی اور شعروفن کا سرچشمہ ہے تو وہیں دوسری طرف توہمات،اعتقادات، کرامتوں اور معجزوں پر یقین رکھنے والے خلافِ عقل افعال کا منبع ہے،اوران ہی عقائد سے مذہبی عقیدوں تک پہنچنا ممکن ہو جاتا ہے۔صوفی،شاعر یا فن کار کو اپنی قوت کا احساس پہلے سے ہوتا ہے۔ جب کہ انبیاء،اولیاء، جیسے مذہبی پیشواؤں کا علم وہبی اور الہامی ہوتا ہے۔کیونکہ ما فوق الفطرت عناصر سے دلچسپی پہلے سے ہی اکثر افراد میں ہوتی ہے لہذا وہ عقل سے ماورا عقیدوں سے وابستہ ہو جاتے ہیں۔اسکی عملی مثال اور عام اظہار مختلف مذہبی رسومات،توہمات، جادوٹونا وغیرہ میں دیکھا جاتا ہے۔

۳۔جذبات (Feelings)

ایک اہم رجحان 'جذبات' ہے اسکی وجہ سے لوگوں کے اندر کے معاملات اور حقائق کا سراغ لگایا جاتا ہے۔اس میں فکری رجحان کے علی الرغم زیادہ غور وفکر کرنے کی استعداد نہیں ہوتی۔اس رجحان میں تمام مثبت و منفی خیالات،افکار اور اعمال غرض سارے پہلوؤں میں جذباتیت کا پہلو غالب رہتا ہے۔ جذباتی افراد کے مزاج میں محبت،رحم،سوز و گداز وغیرہ کا اختلاط ہوتا ہے۔ایسے لوگ اوروں کی تکالیف اور دُکھ درد کو بہتر طریقے سے سمجھتے ہیں اور خود اس میں شریک ہوجاتے ہیں۔یہ اُن تمام چیزوں سے اطمینان اور فرحت محسوس کرتے ہیں جن سے ان کے جذبات کی تسکین ہوتی ہو۔ان میں عقلیت سے زیادہ جذباتیت کو برتری ہوتی ہے اور ہر ایسے جذباتی رشتے چاہے محبت ہو یا نفرت میں شدت اور انتہا پسندی سے کام لیتے ہیں۔بعض اوقات منفی رجحان میں ایسے افراد کو جب غصّہ آتا ہے تو وہ جارحیت پسند بھی بن جاتے ہیں۔غرض ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جذبات کا تعلق دل سے ہے اور فکر کا تعلق عقل و دلائل سے۔جس شخص میں یہ دونوں جذبات یعنی فکر و جذبات یکجا ہو جائیں اس میں بہت بڑا عالم یا ادیب و شاعر بننے کی صلاحیت بدرجہ اتم موجود رہتی ہے۔

۴۔حسّی (Sensational)

انسان میں پانچ قوتیں حسّی سمجھی جاتی ہیں۔لامسہ، باصرہ،ذائقہ،شامہ اور سامعہ۔انہیں حواسِ خمسہ بھی کہتے ہیں۔موقع اور محل کے لحاظ سے انسان ان کا استعمال عمل میں لاتا ہے۔نفسیات کے علوم کی رو سے ان پانچوں حواسات کا براہِ راست تعلق ذہن سے ہوتا ہے اسی وجہ سے حسّی رجحان کے حامل افراد کو وہ چیز زیادہ بھلی لگتی ہے جو اسکے ذہن کو سکون پہنچائے اور انہی ذرائع سے ذہن تک پہنچے۔حسّاس افراد کا تعلق معروضیت یا دلائل سے نہیں بلکہ وہ اپنے ہر کام میں حسّی پہلوؤں کو آشکار کرتے ہیں،اس کی واضح مثالیں اچھے برے کھانے،خوشبو،بدبو،جنسی افعال وغیرہ ہیں۔ایک فن کار سے تخلیقی قوت کا اظہار، شاعری،موسیقی،مصوری،رقص وغیرہ میں ہوتا ہے۔ایسے افراد کے حواس نہایت سریع اور فعال ہوتے ہیں،جو تخلیقی قوّت کو بڑھانے میں مدد کرتے ہیں۔حسّی رجحان اگر منفی صورت میں کسی کے اندر ہو تو ایسا

شخص جنسی بے راہ روی کا شکار ہو جاتا ہے اور تساہل پسند بن جاتا ہے۔ اس لیے یہ کہنا مناسب ہوگا کہ رجحان وجدانی کا راست تعلق غیر مرئی اور نامعلوم قوتوں کی دریافت سے ہے، جب کہ حسّی رجحان کا رشتہ فرد کے احساس سے ہے جو ہر وقت فعال رہتا ہے۔ یونگ ان رجحانات کی روشنی میں یہ ثابت کرتا ہے کہ ہر انسان میں یہ چاروں قوتیں موجود ہوتی ہیں، مگر ایک قوت ان میں زیادہ فعال ہوتی ہے۔

مذکورہ بالا رجحانات کے علاوہ یونگ تضاد کے جوڑے کی بھی شناخت کرتا ہے:

۱۔ پرسونا (Persona) ___ سایہ (Shadow)

۲۔ انیما (Anima) ___ اینمس (Animus)

لاطینی زبان میں پرسونا کا مطلب 'ماسک' ہے۔ یہ وہ بھیس ہے جو ایکٹر اپنے چہرے پر ڈرامہ کرتے وقت ڈالتے تھے۔ یہ فرد کے ظاہری افعال اور حرکات وسکنات کو دکھاتا تھا۔ یونگ نے اسی مناسبت سے انسان کی ظاہری شخصیت کو پرسونا بتایا ہے۔ دوسرے معنی میں انسان کی جو شخصیت ظاہر ہوتی ہے وہ اصل نہیں ہوتی وہ محض اخلاقی پابندیوں اور سماجی جکڑبندیوں کا عکس ہوتی ہے۔ اصل شخصیت اس کی وجہ سے پس پردہ چلی گئی ہوتی ہے لیکن وہ منفی اور معیوب پہلو جسے فرد پوشیدہ رکھنا چاہتا ہے وہ اسکا تعاقب لاشعوری طور کرتے رہتے ہیں۔ اسی کو یونگ سایہ (Shadow) کہتا ہے۔

یونگ نے ان تمام دبی ہوئی خواہشوں اور کیفیات کو سایہ کہا ہے، جس کو عمل میں لانے سے انسان خائف رہتا ہے اور ہچکچاتا ہے، لیکن وہ تمام عناصر اپنے اظہار کے لیے بیتاب رہتے ہیں اور جب بروقت ان کا خروج مسدود ہوتا ہے تو وہ دوسری شکل میں اس انسان کا سایہ بنتے ہیں جو ہمیشہ اسکا تعاقب کرتے ہیں۔ بعض صورتوں میں انکا ظہور دھماکے کی شکل میں ہوتا ہے۔ مثلاً لڑائی جنگ، فتنہ وفسادات وغیرہ۔ یونگ کے نزدیک سایہ انسان کی اصل شخصیت کی طرح ہے یعنی انسانی شخصیت ایک سراب کی طرح ہے جہاں حقیقت کا گماں ہوتا ہے۔ ان کا مزید کہنا ہے کہ حقیقی شخصیت وہ ہے جو لاشعور میں پوشیدہ ہے اور جس کا اظہار بعض صورتوں میں شعوری سطح پر ہوتا ہے۔ مثلاً ایک نام نہاد دوست کا عین ضرورت کے وقت بے رُخی اختیار کرنا، یہی اس کی حقیقی اور اصل شخصیت ہے۔ باقی اسکی ہمدردی کا کبھی اظہار ایک دجل ہے۔

یونگ انیما اور اینمس کو انسانی روح کی سائیکی کا جزو کہتا ہے۔ انیما سے مُراد مرد کی سائیکی میں زنانہ

عنصر کا کارفرما ہونا ہے۔اس کا یہ مفہوم بھی ہے کہ مرد صرف مردانگی کا پیکر نہیں نہ عورت نسوانیت کا مجموعہ ہے۔ان کا کہنا ہے کہ دونوں جنسوں میں ایک دوسرے کے عناصر بھی موجود ہوتے ہیں جو ایک تکمیلیت روح کو عطا کرتے ہیں۔کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بعض مرد اپنی زنانہ سائیکی کے عنصر کو معیوب سمجھ کر دباتے ہیں اور بہادری، برتری اور اعلیٰ ہونے کا دکھاوا کرتے ہیں، جس سے ان کے مزاج میں روکھا پن، سختی اور سنگ دلی کے صفات جنم لیتے ہیں۔بعض موقعوں پر اس کا اظہار ماں کی طرف رغبت کی شکل میں ہوتا ہے جسے Mother fixation یاMother complex کہتے ہیں۔ایسے ہی عورتیں بھی ایثار، محبت، ممتا اور نزاکت وغیرہ کو اہمیت دیتی ہیں لیکن یہ ایثار و محبت ان کی کمزوری اور احتیاج کا باعث بنتی ہے۔اسی لیے ضروری ہے کہ مرد عورت دونوں میں ایک دوسرے کے موجود عناصر کی صحیح دریافت اور علمیت حاصل کی جائے، یہی ایک فرد کی تکمیل ذات کی معراج ہے۔

فردیت کا عمل (Individuation)

یونگ کے مطابق فردیت انفرادیت کا شعور پیدا کرنے کے عمل کو کہتے ہیں۔فردیت کا تعلق ذات کے اثبات یا خودی کے پالینے سے ہے، جو انسان کے اندر مخفی صلاحیتوں کی تلاش کا نام ہے۔یہ انسانی سفر کا آخری پڑاؤ ہے، کیونکہ ہر انسان کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ اپنی ذات کو مکمل کرے اور کسی نہ کسی منزل پر پہنچنے کے بعد وہ ادراکِ ذات کر ہی لیتا ہے۔اس منزل پر فرد سماج میں اپنا اور دوسرے لوگوں اور سماج کے ساتھ رشتے کا تعین کرتا ہے۔اس مرحلے میں وہ اپنی سائیکی میں چھپے تضادوں میں باہمی آہنگ پیدا کرنے کی سعی کرتا ہے، جس سے اس کا ذہنی تصادم اور کشمکش ختم ہو جاتے ہیں اور وہ اپنے چھپے پہلوؤں کے لیے سازگار اور مثبت راستے تلاش کرنے لگتا ہے۔انسان کا ایسا عمل شعوری کہلاتا ہے اور جن رجحانات کی تکمیل نہیں ہو پاتی، ان کو علامتی اساطیر یا تخلیقی رنگ کے توسط سے بروئے کار لایا جاتا ہے۔

یونگ نے فرائڈ کے نظریے کے برخلاف یہ بتانے کی کوشش کی کہ فرد جبلی قوتوں کا غلام نہیں ہے، بلکہ وہ اپنی معراج اور ارتقا کی طرف مائل رہتا ہے۔فرائڈ کے مطابق شعور سے زیادہ لاشعور انسان پر اثر انداز ہوتا ہے اور قوی ہوتا ہے۔علاوہ ازیں وہ سُپر ایگو کو سماجی ضمیر کے ہم وزن بھی قرار دیتا ہے۔جب کہ

یونگ انسانی شعور، تخلیقی و رجحانی عنصر کو اور علامت سازی کو زیادہ اہم سمجھتا ہے۔ مزید یہ کہ یونگ چاروں رجحانات کی عمل آوری اور روحِ انسانی میں مخالف جنس کے اشتراک سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ انسان دیگر مخلوقات سے کن معاملات میں افضل و اشرف ہے اور کس طرح اجتماعی لاشعور اس کو متاثر کرتا ہے۔ لہذا یہ کہنا صحیح معلوم ہوتا ہے کہ یونگ کے اجتماعی لاشعور کے تصورات، نقوشِ موروثی، نفسیات کے امکانات اور علامت سازی کا سرچشمہ ہے۔

ایلفرڈ ایڈلر

ایلفرڈ ایڈلر فرائڈ کے ایک مشہور شاگرد اور ہم عصر ماہرِ نفسیات تھے جنہوں نے یونگ کی طرح فرائڈ سے کئی ایک جگہ اختلاف کر کے علمِ نفسیات میں نئی جہتیں وا کیں۔ ایڈلر کا نظریہ فرائڈ کے اس نظریے سے بالکل مختلف ہے کہ انسان کی نفسیاتی کشمکش کی وجہ جنسی جبلت کا ہونا ہے۔ ایلفرڈ کا خیال ہے کہ دراصل انسان احساسِ کمتری کا شکار ہے یعنی کوئی شخص جب تمام عمر کسی مقصد یا چیز سے محروم رہے اس وجہ سے اس میں احساسِ کمتری کا جذبہ جنم لیتا ہے اور وہ خود کو کمتر اور ناتواں محسوس کرنے لگتا ہے۔ اس کا ماننا ہے کہ بچے میں یہ چیز پیدائشی طور پر موجود ہوتی ہے۔ آس پاس کے بڑوں کا وہ اپنے اوپر ایک درجہ فضیلت اور برتری کا اعتراف کر کے چلتا ہے اور خود کو احتیاجی حالت میں پاتا ہے۔ یوں سماجی اور خاندانی اصولوں اور جبر کی وجہ سے وہ احساسِ کمتری میں گرفتار ہو جاتا ہے، جس سے اسکا ذہن پوری عمر متاثر رہتا ہے۔ اسی چیز سے بچاؤ کی صورت میں وہ نئی راہیں تلاش کرتا ہے تاکہ وہ احساسِ برتری سے محظوظ ہو۔ اکثر یہ دیکھا جاتا ہے کہ جو لوگ تساہل پسندی کے شکار ہو چکے ہوتے ہیں وہ گھر میں سب سے چھوٹے یا اکلوتے بچے رہے ہوتے ہیں۔ ان کی خواہشات آسانی کے ساتھ اور وقت پر پوری ہو چکی ہوتی ہیں۔ اسی وجہ سے ان میں محنت کا جذبہ کم ہوتا ہے۔ اس کے بالعکس جو بچے درمیان میں یا پہلے جنے ہوتے ہیں وہ زیادہ محنتی اور خودکفیل ہوتے ہیں۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ ہر فرد احساسِ کمتری کی منزل سے گزرتا ہے اور وہ اس اُلجھن سے نکلنے کے لیے ہمہ وقت نجات کے راستے کی تلاش میں رہتا ہے۔ یوں ہر فرد تلافی کے عمل یا مرحلے سے گزرتا ہے۔

ایڈلر کے مطابق ہر انسان تلافی کے طریقہ کار کی بدولت اپنے جسمانی اور ذہنی خامیوں اور کمتری کو

بہتر بنانے کی کوشش کرتا ہے۔تلافی کا یہ طریقہ ناموافق ماحول میں زیادہ نشوونما پاتا ہے۔ایڈلر کا کہنا ہے کہ فن بھی احساسِ کمتری کی تلافی کا ایک ذریعہ ہے۔اس کی مدد سے فنکار اپنی احساسِ کمتری کی تلافی سماجی نصب العین سمجھ کر تبدیل کر دیتا ہے۔یوں ادیب بیہوشی کو زائل کر کے سماجی طور سے مفید مقاصد کا حصول کرتا ہے،جس کا منشا انسان میں اخوت و محبت کے جذبے کو بیدار کرنا ہے۔

ایڈلر دوسروں کی طرف دلچسپی لینے کی استعداد کو سماجی مفاد (Social inetrest) کا نام دیتا ہے۔ یعنی انسان سماج اور معاشرے کے وضع کردہ اصول اور تقاضوں کا لحاظ کر کے ہی ترقی کر سکتا ہے اور اسکے بعد ایک منزل پھر ایسی بھی آتی ہے کہ جہاں احساس برتری اور سماجی شعور باہم مل جاتے ہیں،لیکن اگر سماجی اصول اور تقاضے فطرت کے مخالف ہوں تو اس کا نتیجہ فرد کی شخصیت کا انتشار کا باعث بن سکتا ہے۔ اس میں ہر وہ مناسب حادثات اور حالات شامل ہوتے ہیں جو انسان کے بچپن اور جوانی سے جڑے ہوئے ہوتے ہیں۔اکثر ایسا ہوتا ہے کہ فرد کے مقاصد اور سماجی تقاضوں میں ٹکراؤ ہو جاتا ہے،جسکے نتیجے میں انسان نیوراسس کا شکار ہو جاتا ہے۔اسکی وجہ سے شخصیت میں منفی رجحانات کو تقویت ملتی ہے۔یوں ایک فرد اپنی قوت کا منفی استعمال کر کے غلط کاموں یا اُلجھن میں پڑ جاتا ہے۔منفی رجحان کے پس پشت عوامل میں بچپن کے نامساعد حالات،نامرادی،محرومی،خاندان کی تشویش و انتشار،افلاس میں ہوئی پرورش وغیرہ ہو سکتی ہے۔ایسی ساری صورتوں میں فرد کی فعال ہونے کی قوت معطل ہو جاتی ہے اور انسان ڈپریشن کے عارضے میں بھی گرفتار ہو سکتا ہے۔اس لیے یہ بات اہم ہے کہ سماج اور فرد کے اعلیٰ ترین مقاصد کے بیچ ٹکراؤ کی صورت اور کشمکش نہ ہو۔

ایڈلر فرائڈ کے نظریہ جنسی جبلت کے برخلاف رعایتِ ذات کو اہمیت دیتا ہے۔ایڈلر کا ماننا ہے کہ نفسیاتی امراض کا سبب جنسی جبلت نہیں،بلکہ وہ احساس کمتری ہے جو شکست یا محرومی کے بعد جنم لیتی ہے۔اس کی وجہ سے نشوونما کا عمل معطل ہو جاتا ہے اور انسان زندگی سے مایوس ہو جاتا ہے۔عقدۂ حقارت (Inferiority complex) کا شکار ہونے کے بعد انسان ان امراض کو چھپانے کے لیے یا ان سے نجات پانے کے لیے عظمت اور سطوت پانا چاہتا ہے،اس تلافی کے عمل کو ایڈلر انفرادی نفسیات (Individual psychology) کا نام دیتا ہے۔اسکا ماننا ہے کہ ہر انسان اپنی منفرد خصوصیات اور

قدروں کی وجہ سے منفرد بھی ہوتا ہے اور اپنی مثال آپ بھی۔

ایڈلر کے مطابق ہر انسان کی زندگی کا مقصد برتری کا حصول ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ایڈلر نے احساسِ کمتری کے نتیجے میں پیدا ہونے والے احساس برتری کے رجحان کو بنیادی مقصد بتایا ہے۔اس کے نزدیک ہر فرد کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ جدوجہد کرکے اوروں پر فوقیت اور اختیار حاصل کرے، اور اپنے آپ کو بھی اطمینان دلائے کہ میں احساسِ کمتری سے نجات پا رہا ہوں۔لیکن بعض لوگوں میں یہ ایک مرض کی صورت اختیار کرتا ہے۔مثال کے طور پر وہ بے تحاشا دولت تو جمع کرتے ہیں یا کوئی جرم تو کرتے ہیں لیکن انہیں وہ اطمینان حاصل نہیں ہوتا جس مقصد کے لیے انہوں نے ایسی چیزوں کا ارتکاب کیا ہوتا ہے۔ جب کہ اس کے برعکس سکون اور آسودگی ایسے لوگوں کو فراہم ہوتی ہے جن کا رجحان اور عمل مثبت اس معاملے میں رہا ہوتا ہے۔

فرائڈ اور یونگ کے برعکس ایڈلر لاشعور کو وہ اہمیت نہیں دیتا۔اس کا خیال ہے کہ خواب اور عصبی امراض احساسِ کمتری کی مکافاتی کارروائی کا بدلہ ہے۔اس کے نزدیک شعور اور لاشعور ایک ہی شئے ہے۔اس کا ماننا ہے کہ جن چیزوں کی ہم آگاہی حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ ہمارے احساس برتری کا کمال ہے۔مزید براں سارے نیوراتی بیماریاں ذات کے احساس سے جنم لیتے ہیں، اور متاثرہ شخص اس پر فتحیاب ہو کر سطوت اور عظمت حاصل کر لینا چاہتا ہے۔لہذا یہ کہنا صحیح رہے گا کہ احساس کمتری کو احساس برتری میں تبدیل کرنے کا عمل نیوراتیت ہے۔ برتری کا یہی احساس اور کاوش فرد کو فن کار، ادیب، مجرم، نیوراتی وغیرہ بنا دیتی ہے۔

ایڈلر کا علمِ نفسیات پر یہ احسان ہے کہ اس نے ان بنیادی اشکالات کا جواب دیا ہے جو فرائڈ کی وجہ سے پیدا ہوئے تھے اور ان مبہم چیزوں بھی کو واضح کیا، جو نظرانداز ہو گئی تھیں۔لیکن یہاں یہ بات اہم ہے کہ ایڈلر اور فرائڈ نے نیوراتیت کو ایک ہی طرح سے پیش کیا ہے۔مزید براں فرائڈ کی طرح ایڈلر انسان کو صرف جبلتوں کا محتاج اور غلام نہیں سمجھتا، بلکہ اس کا خیال یہ ہے کہ زندگی وہ قوتِ محرکہ ہے جس کی جستجو کسی نہ کسی مقصد کے زیرِ اثر ہوتی ہے۔

الغرض ایڈلر کے جو تصورات اہم اور نمایاں ہیں انکا مختصر نچوڑ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

۱۔انسان اپنی جبلی قوتوں کا غلام نہیں بلکہ اس میں عقل وارادہ زیادہ اہم اور مغلوب کرنے والے ہوتے ہیں۔

۲۔ایڈلر کا خیال ہے کہ لاشعور اور شعور کے درمیان کوئی فرق نہیں۔وہ فرد کو ایک اکائی کی حیثیت سے تسلیم کرتا ہے۔

۳۔انسان بچپن میں ہی اپنی زندگی کے مقاصد کا تعین کرتا ہے پھر باقی ماندہ عمر کے افعال اور انتخاب اس کے مجموعی طرزِ زندگی سے وابستہ ہو جاتے ہیں،جس میں وقت اور تجربے کے ساتھ پختگی آتی رہتی ہے۔

۴۔ایڈلر جنسی خواہش کے علی الرغم قوت کے حصول کی خواہش کو اہم سمجھتا ہے۔

۵۔ایڈلر کے مطابق جب تک معاشرے کے تقاضے اور اصول کی پاسداری اور احترام نہیں ہوگا،احساسِ کمتری، برتری کے رجحان میں تبدیل نہیں ہوگی نہ تسلی بخش آسودگی ملے گی۔

اریک اریکسن (Erik Erikson)

فرائڈ سے متاثر ایک اور عبقری شخصیت اریک اریکسن کی ہے۔جرمنی سے تعلق رکھنے والے اریکسن فرائڈ کی بیٹی انا فرائڈ کے دوست تھے۔اس نے ۱۹۵۰ء میں مختلف ماحول کے بچوں پر مشاہدہ کرکے ایک اہم تحقیق دنیا کے سامنے لائی۔اریکسن فرائڈ کے نظریۂ جنسی جبلت سے متاثر تو ہوا لیکن اس کی مبہم چھوڑی ہوئی چیزوں کو اس نے واضح کرکے علم نفسیات میں ایک نئی جہت کا آغاز کیا۔اس نے نظریۂ شناخت پر قیمتی آرا دیتے ہوئے فرائڈ کے نظریے سے بعض معاملات میں اتفاق کرتے ہوئے مزید کہا کہ انسان عمر میں مختلف مراحل سے گزرتا ہے۔ہر مرحلہ میں اسے کچھ اہم مسائل سے سابقہ پڑتا ہے جنہیں وہ کرائیسس (Crisis) کہتا ہے۔اریکسن کا خیال ہے crisis اگر مثبت ہوں تو وہ شخصیت پر خوشگوار اثرات مرتب کرتے ہیں۔جب کہ اگر منفی ہوں تو شخصیت پر بُرے اثرات پڑتے ہیں۔مثبت crisis سے انسان Ego identity کو پاتا ہے یعنی وہ خود کو بہتر طور سے سمجھنے لگ جاتا ہے اور منفی صورت میں وہ انتشار اور بدنظمی کا شکار ہو جاتا ہے،جس کے نتیجے میں وہ خود کی پہچان کرنے سے قاصر رہتا ہے۔

اریکسن نے جو تجربے بچوں اور انسانوں کی نفسیات پر کیے،ان کے نتائج کی روشنی میں وہ اپنی

تحقیق (Psychosocial Development Theory) کو آٹھ مختلف مراحل میں تقسیم کرتا ہے۔اس کے مطابق ہر فرد زندگی میں ایک مرحلے سے گزرتا ہوا دوسرے مرحلے کی طرف بڑھتا ہے لیکن ماضی کے مرحلے کے اثرات نئے مرحلے پر بھی وقوع پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ان مختلف مراحل کی مختصر تفصیل ان کے مطابق یوں ہے:

ا۔ پہلا مرحلہ پیدائش سے قریب اٹھارہ ماہ کی مُدّت کا ہوتا ہے۔اس مرحلے میں بچہ اپنی پرورش کے معاملے میں والدین اور گھر کے دیگر افراد خصوصاً ماں کا محتاج ہوتا ہے۔اگر والدین اور گھر کے باقی لوگ بچے کی بنیادی ضرورتیں فراہم کرنے میں کامیاب رہتے ہیں تو اس بچے کے اندر اعتماد آتا ہے۔مخالف صورت میں وہ بے اعتمادی کا شکار ہو جاتا ہے۔

۲۔دوسرا مرحلہ اٹھارہ ماہ سے تین سال تک کا ہوتا ہے۔پہلے مرحلے میں اعتماد پایا ہوا بچہ اس مرحلے میں خود سے ہر کام میں پہل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔مثلاً جوتا پہننا، کھانا کھانا وغیرہ۔اس دوران اگر والدین حکمت سے بچے کی غلطی کو درست کریں تو وہ بہتر طریقے سے اپنی غلطی کو درست کرنے کی کوشش کرتا ہے۔بے جا سختی اور پابندی یا مذاق اڑانے پر وہ شک وشبہہ کا شکار ہو جاتا ہے اور وہ پھر کچھ بھی کرنے میں آئندہ تامل کرتا ہے اور ہچکچاتا ہے۔یعنی اس مرحلے کے دو بنیادی عوامل ہیں۔خودمختاری یا شک وشبہہ۔

۳۔تیسرے مرحلے کا عرصہ تین سے چھ سال کی مدت کا زمانہ ہوتا ہے۔دوسرے مرحلے کے اثرات اس مرحلے پر بھی دیکھنے کو ملتے ہیں۔مثبت صورت میں وہ مزید پہل ہر کام کے کرنے کے لیے کرتا ہے، جبکہ منفی صورت میں وہ غلطی کا احساس پالتا ہے اور کوئی بھی کام خود سے کرنے سے ڈرتا ہے۔اس منزل کے دو بنیادی عوامل، پہل کرنا ہے یا غلطی کا احساس ہے۔

۴۔ چوتھا مرحلہ چھ سے بارہ سال کی عمر تک رہتا ہے۔اس میں بھی پچھلے مرحلے کے اثرات منتقل ہوئے ہوتے ہیں۔عام طور سے بچے اس میں مختلف کھیلوں کو کھیلنا پسند کرتے ہیں۔اس منزل میں اگر بچوں کی حوصلہ افزائی گھر والے یا اساتذہ کرتے ہیں تو بچے کسی کام کو بار بار اور بہتر طریقے سے کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔حوصلہ شکنی کی صورت میں یا تعریف نہ ملنے کی حالت میں بچے ایسے کاموں کو کرنا ناپسند کرنے لگتے ہیں اور احساس کمتری کے شکار ہو جاتے ہیں۔یوں اس منزل کے دو بنیادی محرکات سامنے

آتے ہیں ایک مشقت دوسرا احساسِ کمتری۔

۵۔ پانچواں مرحلہ بارہ سے بیس سال تک کا ہوتا ہے۔اس مرحلے پر بھی سابقہ مرحلے کے نقوش دیکھنے میں ملتے ہیں۔ایسا فرد ماضی کے حاصل شدہ مثبت کرائسس (crisis) جیسے اعتماد، خودمختاری، پہل کرنا اور محنت کی مدد سے اس مرحلے میں خود کی پہچان کر پاتا ہے اور مستقبل کے لیے عزائم کا تعین کرتا ہے۔یعنی اس کے پاس کیا صلاحیت ہے اور اسے کس پیشے کے لیے کوشش کرنی چاہیے اس بات کا احساس اسے ہونے لگتا ہے۔منفی صورت یا (crisis) میں وہ بے اعتمادی، غلطی کے احساس اور احساس کمتری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔اس طرح نہ اسے اپنی صلاحیتوں کا احساس بروقت ہوتا ہے نہ وہ مستقبل کے لیے کسی منصوبہ پر عمل پیرا ہو پاتا ہے۔اس طرح اس منزل کے دو بنیادی اور اہم عوامل کردار کی شناخت اور کردار کی ناواقفیت یا مخمصہ وہ قرار دیتے ہیں۔

۶۔ چھٹا مرحلہ بیس سے تیس سال تک کے عرصے پر محیط ہوتا ہے۔ماضی کے تمام مراحل میں مثبت crisis حاصل کرنے والا فرد اس مرحلہ میں سب سے بہتر تعلقات قائم کر پاتا ہے اور وہ اپنی خوشیوں اور غموں میں اوروں کو شریک کر کے آسودگی محسوس کرتا ہے۔اس کے برعکس ماضی کے مراحل میں منفی crisis کا حامل شخص اس منزل میں سب رشتوں کے باوجود احساسِ تنہائی کا شکار ہو جاتا ہے اور وہ اپنے غموں اور خوشیوں میں بھی دوسروں کو شریک نہیں کر پاتا۔یوں اس مرحلے کے دو بنیادی نتائج میل جول یا علیحدگی سامنے آتے ہیں۔

۷۔ساتواں مرحلہ تیس سے ساٹھ سال کی مدت کا زمانہ ہوتا ہے۔حسب سابقہ دیگر مراحل کا اس مرحلہ پر بھی خاص اثر پڑتا ہے۔مثبت crisis میں اس مرحلہ کے لوگ اپنی اولاد اور دوسروں کی رہبری و معاونت کرنے میں خوشی محسوس کرتے ہیں، جبکہ منفی صورت سے متاثر افراد اس مرحلے میں خودغرضی کی زندگی گزارتے ہیں اور لوگوں کی مدد نہیں کرتے۔یعنی سخاوت اور جمود اس منزل کے اہم محرکات ہیں۔

۸۔آٹھواں اور آخری مرحلہ ساٹھ سے باقی ماندہ زندگی کے عرصے پر مشتمل ہوتا ہے۔سابقہ مراحل کی طرح اس مرحلے پر بھی ماضی کے نقوش منعکس ہوتے ہیں۔مثبت crisis میں اس مرحلے کے لوگ ماضی کو یاد کر کے مطمئن ہو جاتے ہیں اور خوشی محسوس کرتے ہیں۔وہ موت کے لیے بھی ہمہ وقت خندہ پیشانی سے

آمادہ رہتے ہیں ۔جبکہ اس کے برعکس منفی crisis کے حامل افراد ماضی کو یاد کرکے کوفت محسوس کرتے ہیں، اپنے آپ کواور دیگرلوگوں کومختلف محرومیوں اورناکامیوں کے لیےقصوروارٹھراتے ہیں اور زندگی سے بیزاری دکھاتے ہیں۔ایسے لوگ بہت چڑچڑے پن کے شکار ہو جاتے ہیں اورصرف منفی سوچوں میں گھرے رہتے ہیں علاوہ ازیں وہ موت سے بھی خائف رہتے ہیں۔یوں اس مرحلے کے دومخصوص عوامل اُمیدویاس وہ بتاتے ہیں۔

ادب اورنفسیات کا رشتہ

ادب کا رشتہ زندگی کے ہراس پہلو سے ہے جس میں احساسات وجذبات اورمشاہدات وتجربات کے جلوے نظر آئیں۔لہذا یہ کہنا صحیح ہوگا کہ ادب کا رشتہ فرد کے شعوری وغیرشعوری عمل سے ہے جس میں اسکے خارجی اور داخلی خیالات کوفن کا جامہ پہنایا جاتا ہے۔ادب میں خارجی زندگی سے متعلق سیاسی، سماجی، مذہبی،معاشی ومعاشرتی اورتہذیبی قدروں کے علاوہ انسانی شخصیت کے ان پہلوؤں کی بھی گرہ کشائی کی جاتی ہے جو اندرونِ ذات سے متعلق ہوتے ہیں۔اس لیے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ادب کا کام نہ صرف سماج کی خوبیاں اورخامیاں سامنے لانا ہے بلکہ اس کا وصف یہ بھی ہے کہ یہ ہرعہد کی تاریخ وتہذیب کا امین وضامن ہوتا ہے لیکن اگرجدیدادب کی بات کریں تو یہ سماج سے زیادہ فردکواہم سمجھتا ہے کیونکہ فرد سماج کی وہ اکائی ہے جس کی ترقی وبہبودگی میں سماج کی فلاح وترقی مضمر ہے۔لہذا اگرسماج کوبہتر بنانا ہو تو اسکے لیے یہ ناگزیرعمل ہے کہ فرد کی بہتری کی جانب توجہ دی جائے۔

ہرعہد کے ادب میں لازماً انسانی فطرت اورذہنی کشمکش کا عکس دیکھا جاسکتا ہے لیکن اس کا اطلاق باضابطہ طورعلم نفسیات کے متعارف کیے جانے اورارتقا کے بعدعمل میں لایا گیا کیونکہ اس سے قبل صنعتی اور سائنسی انقلاب نے انسان کے اندروں میں ایک خلا پیدا کیا تھا،جس کے نتیجے میں انسان کا روحانی اور مادی وجودمتزلزل ہوکےرہ گیا تھا۔باوجود یکہ ترقی پسندتحریک نے اس خلاء کو پر کرنے کی سعی کی لیکن یہاں بھی فرد کووہ پذیرائی نہیں ملی جواس تحریک کے زیرِ اثر سماج کوملی ۔ترقی پسندتحریک بھی اس حقیقت کاادراک نہیں کرسکی کہ جب تک فرد کی ذہنی حالت پختہ نہ کی جائے ،سماج زوال اورابتری کی طرف ہی گامزن ہوتا رہے گا۔اسی حقیقت کے پیشِ نظرادب میں انسانی فطرت کی گرہ کشائی کومحور ٹھرایا گیا اور بتایا گیا کہ ادب

اس نوعیت کا ہو جو انسانی شعور کا عکاس ہو اور اپنے اندر مکمل حقیقت کو سمیٹنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

ولیم جیمس علمِ نفسیات کے اگر چہ بنیاد گزار تصور کیے جاتے ہیں تاہم واقعہ یہ ہے کہ اس علم کو مزید بلندی اور مرتبہ فرائڈ جیسی شخصیت نے بخشا۔ اس نے تحلیلِ نفس کا نظریہ دے کر علمِ نفسیات میں ایک انقلاب عظیم برپا کر دیا۔ اس نظریہ کا جو اصل منشا ہے وہ ذہن میں چھپی ہوئی باتوں کا پتا لگانا ہے۔ ابتداً تحلیلِ نفس کو بغرضِ طریقۂ علاج عملایا گیا لیکن بعد ازاں جدید ادب میں بھی اس کا استعمال ہونے لگا۔ فرائڈ کا نقطۂ نظر ہے کہ انسان خواہشوں اور جبلتوں کا مرکب ہے، اس نے جنسی جبلت کو بھی اہم ترین شئے بتایا، جو دورِ طفولیت سے ہی انسان میں نہاں ہوتی ہے۔ صرف اسکی صورت تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ اس جنسی قوت کو فرائڈ نے لبیڈو کا نام دیا۔ اس نے صرف محبت کی اُلجھن کو ہی نہیں بلکہ عصبی انتشار کو بھی جنسی رغبت سے منسلک کر دیا اور یہ نظریہ پیش کیا کہ انسان کی جو خواہشیں مکمل نہیں ہو پاتیں وہ لاشعور کے دفتر میں چلی جاتی ہیں۔ وہ ہمیشہ اس تاک اور جستجو میں لگی رہتی ہیں کہ کب انکا اخراج و اظہار ہو۔ بعض صورتوں میں ان کا ارتفاع سماج میں رائج قابلِ قبول طریقوں سے ہوتا ہے جیسے فن کار کبھی ان تشنہ خواہشوں کو فن کے ذریعے پیش کرتا ہے۔

فرائڈ نے نظریۂ تحلیلِ نفس دے کر فنکار کے تخلیقی عمل کی توضیح کی اور کہا کہ خواب ہماری ان حسرتوں کا عکس ہوتا ہے جو پوری نہیں ہوئی ہوتی ہیں۔ لیکن خواب میں ان خواہشات کی بعینہ شکل نظر نہیں آتی بلکہ ان کا ظہور اشاروں اور کنایوں میں ہوتا ہے۔ فرائڈ خواب کی تین اقسام بتاتا ہے۔ تمنائی خواب (Wisher Dream)، پریشانی کے خواب (Anxiety Dream) اور تعزیری خواب (Punishment Dream)۔ انسان کی ناکام خواہشیں اپنی تکمیل پریشانی کے خواب میں کرتی ہیں۔ یوں مختلف نوعیت کے رویا کی تعبیر کے لیے تجزیۂ نفس سے مدد لی گئی۔ ایسے ہی خواب، ادب میں ادیب کو آتے ہیں۔ فرائڈ کا خیال ہے کہ شاعر حالتِ بیداری میں خواب دیکھتا ہے۔ وہ اپنے نفس موضوع کا تابع نہیں ہوتا، بلکہ اس پر قدرت رکھتا ہے اور اپنے خوابوں کا تعلق حقیقت کے ساتھ قائم کر دیتا ہے۔ فرائڈ کے ان خیالات کے نتیجے میں ادب میں دو طرح کے رجحانات وجود میں آئے۔ پہلے فکری نوعیت کے رجحانات جن کے ذریعے سے وجود اور جنس کے ابہام کے زیر اثر رجحانات کو فروغ ملا۔ مثلاً طفلی حسیت،

تلاشِ پدر، عہدِ طفلی کی جانب مراجعت، خواب اور علامتِ خواب کا اطلاق، اوڈیپس کامپلکس وغیرہ۔ دوسرے تکنیکی نوعیت کے رجحانات، جن کے ذریعے سے شعور کی رو، آزاد تلازمۂ خیال، داخلی خود کلامی، علامت نگاری، تجریدیت، سرریلزم وغیرہ کو فروغ حاصل ہوا۔ اس کے نتیجے میں فن کے مواد اور ہیئت پر کافی گہرا اثر پڑا۔

فرائڈ کے تحلیلِ نفس کے نظریہ سے شعور کی رو کی تکنیک ادب میں برتی گئی۔ اس کے زیرِ اثر ایسی نوشتیں وجود میں آئیں، جن کی تفہیم الفاظ کے برعکس تفسیر کے ساتھ ضروری سمجھی جانے لگی۔ جنگِ عظیم اول کے بعد اسکی ابتدا انگلستان میں ہوئی، یہ اس بنا پر ہوئی کیونکہ جنگِ عظیم کے نتائج نہایت ہی کرب آمیز اور دل دہلا دینے والے تھے۔ ہر طرف یاس وافسردگی اور لایقینی صورتِ حال تھی۔ حال سے بیزاری اور مستقبل سے شدید تشویشات جنم لینے لگی تھیں۔ نتیجتاً اس سے انسان کے اندر احساسِ تنہائی، ذاتی زندگی کا دکھڑا اور جارحیت پسندی کا جذبہ اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔ اسی سبب سے شعور کے بہاؤ کی تکنیک میں مختلف طرح کی تکنیکیں بروئے کار لائی گئیں۔ ان میں داخلی تجزیہ اور حسیاتی تاثر بہت معروف ہیں۔ داخلی تجزیہ میں کردار کی زبانی کردار کے تاثرات ادا کرائے جاتے ہیں لیکن اس میں مصنف کا عمل دخل نہیں رہتا۔ بعض صورتوں میں یہ خیال اتنے ذاتی نوعیت کے ہوجاتے ہیں، کہ اس کے تانے بانے لاشعور سے جا ملتے ہیں۔ اس چیز کے لیے مصنف کو اشاروں اور کنایوں سے کام لینا پڑتا ہے۔ اس میں شعور کے اس حصّے کو ظاہر کیا جاتا ہے جس کو زیادہ توجہ نہ دی گئی ہو۔ اس منزل میں ذہن پر تیز روی سے بہتے ہوئے واقعات کا اثر پڑتا ہے۔ حسیاتی تاثر داخلی مونولاگ سے قدرے نزدیک ہے۔ یہ خاموش خود کلامی کی ایک صورت ہے، جس میں کردار شعور میں تیرتا چلا جاتا ہے اور اس پر تبدیلی کے کوئی آثار نظر نہیں آتے۔ وہ بنا کسی رکاوٹ اور تشریح کے اپنے خیالات کو پیش کرتا جاتا ہے جس کے نتیجے میں کردار کی مکمل شخصیت کے خدو خال واضح ہو جاتے ہیں۔

ولیم جیمس شعور کی رو کو جوئے رواں سے تعبیر کرتا ہے جہاں اس میں ذہن میں ہر وقت تبدیل ہوتی کیفیات کو بیان کیا جاتا ہے۔ یہ وقت کی گرفت سے آزاد ہے۔ اس میں ہر دم تبدیلی آتی رہتی ہے، جس میں ماضی، حال اور مستقبل کے سانحات کو شعوری سطح پر لا کر بیان کیا جاتا ہے اور حال کے واقعات کا رشتہ

ماضی کے واقعات سے جڑ جاتا ہے۔ اس میں خیالات کے رشتے کی نوعیت نفسیاتی بھی ہوتی ہے اور سماجی بھی۔ اس لیے زندگی کے مشکل مسائل کو بیان کرنے کے لیے اس تکنیک کی مدد لی گئی، اس کی وجہ سے کہانی اور پلاٹ کا رشتہ منقطع ہو گیا۔ کیونکہ عہدِ جدید کے ادبا نے یہ محسوس کیا کہ انسان محض خیر وشر کا مجموعہ نہیں بلکہ وہ نفسیاتی گرہوں کا مرکب بھی ہے۔ انسان ایک ہی وقت میں خوش اخلاق، بداخلاق، بزدل، بہادر، سخی اور بخیل وغیرہ متضاد اوصاف کا مالک ہوسکتا ہے۔ اس لیے مصنف ایک دوسرے سے زائد کرداروں کی نفسیات بیان کرنے کی کوشش اس تکنیک کے وسیلے سے کرتا ہے۔ اس میں اختصار کا وصف بھی پایا جاتا ہے اور قلیل وقت میں فرد کی داخلی اور خارجی زندگی اور اس کے شعور، تحت الشعور اور لاشعور کی مکمل تصویر بھی قارئین کی نظروں کے سامنے آجاتی ہے۔

فرائڈ کے بعد جس شخصیت نے علمِ نفسیات کے ذریعے ادب کو متاثر کیا وہ یونگ ہے۔ وہ شروعات میں فرائڈ کے نظریۂ تحلیلِ نفس سے کافی متاثر رہا لیکن پھر بعد میں اس نے اپنا خود کا نظریہ سامنے لایا، جس کا تذکرہ گزشتہ اوراق میں کیا جاچکا ہے، لیکن اگر انکے مطابق فنکار کی بات کریں تو یونگ فنکار کو دوہری شخصیت (نفسیاتی اور تخلیقی اعتبار) سے متصف کردار کا مالک بتاتا ہے اور اجتماعی لاشعور کو عمل کا مرکز۔ یعنی جب کوئی فرد شعور کو وقت کی حرکت کے موافق ڈھالنے میں ناکام رہتا ہے تو اجتماعی لاشعور متحرک ہو جاتا ہے اور فنکار اس کے توسط سے انسان کی ان شدید خواہشات کا اظہار کرتا ہے جو اس دور کی کمیوں کو دور کرنے میں معاون ثابت ہو۔ مزید برآں ایڈلر کے نظریہ کے مطابق ادب اور فن احساسِ کمتری کے ازالہ کا ذریعہ ہیں جس کو عمل میں لاتے ہوئے ادیب اپنے ذہنی اور جسمانی احساسِ کمتری سے نجات پانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہی سبب ہے فرائڈ ادیب کو نیوراتی کہتا ہے۔

فرائڈ نے تحلیلِ نفس کی مدد سے فنکار کا نیوراتی ہونا ثابت کیا ہے اور بتایا ہے کہ تخلیقی عمل نیوراتی عمل ہے، جس کا استعمال فنکار بوقتِ تخلیق کرتا ہے لیکن بعد ازاں وہ حقیقی دنیا سے اپنا تعلق قائم کر لیتا ہے۔ فی الواقعہ تخلیقی عمل کا محرک لاشعور ہے۔ فنکار خود کی لاشعوری خواہشوں کو فن کے سانچے میں ڈھال دیتا ہے، جس سے وہ قدرے آسودگی محسوس کرتا ہے۔ فنکار اور ادیب کا لاشعور ایک ہی وقت میں عقل کے تحت بھی ہوتا ہے اور اسکے فوق بھی۔ بعض اوقات دیکھا جاتا ہے کہ مئے نوشی کے بعد جب شعور بے حس ہو

جاتا ہے،تو ایسے میں تحت الشعور متحرک ہو کر تخلیقی قوت کو حرکت دیتا ہے یوں فن وجود میں آجاتا ہے۔ نیز بعض ادیب سادیب پرست بھی ہوتے ہیں جو تکلیف دے کر مزہ حاصل کرتے ہیں،یعنی ایذا پسندی انکی طبیعت میں رچ بس گئی ہوتی ہے۔ وہ سماج سے ایسا برتاؤ روا رکھتے ہیں جو باغیانہ طبیعت پر مبنی ہوتا ہے اور اسی کے مسلسل اثر اور انتہا سے وہ نیوراسس میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔لہذا کہا جاسکتا ہے نیوراتی وہ ہے جو لاشعوری طور سے اپنے دفاعی عمل کا استعمال کرے۔ادیب کی دیگر نیوراتی علامتوں میں بھی یہی طریقہ پسِ پردہ کار پرداز ہوتا ہے۔

فرائیڈین نفسیات کے زیرِ اثر مغرب میں بیسویں صدی کی دوسری دہائی میں دو اور تحریکیں سامنے آئیں۔ایک کو داداازم کے نام سے جانا جاتا ہے اور دوسری تحریک سرریلزم سے موسوم ہوئی۔ داداازم وکٹورین عہد کے معیارات اور رسوم کے خلاف نوجوان نسل کا خروج تھا،جس کو فرائڈین نظریات نے قبولیت وقوت بخشی۔ داداازم کے بنیاد گزاروں نے ادب،فلسفہ،فن،مذہب،اخلاقیات،اقدار،روایات غرض ہر چیز کی معنوعیت اور افادیت کی نفی کی۔ انھوں نے لاشعوری کوائف کی بے نظمی کو معیار بنایا اور ادب وفن میں اظہار کی سعی کی۔اس تحریک کے قائدین میں ہیوگو بال،السٹائین،آندرے بریتون اور ٹرسٹن زار وغیرہ کے نام اہمیت کے حامل ہیں۔ان میں آندرے بریتون نے اس تحریک سے علیحدگی اختیار کر کے دوسری اہم تحریک کی داغ بیل ڈالی۔سرریلزم تحریک داداازم کی بے فائدہ اور لایعنی منشا کے برخلاف کشمکش،انتشار اور لاشعوری وسعتوں میں ایک نئے جہاں کی جستجو تھی۔اس کا محورِ نظر صرف حقیقت کے خلاف علم اُٹھانا نہیں تھا بلکہ حقیقت سے ماورا ایک اور حقیقت کو پانے کی کھوج تھی۔سرریلزم تحریک کی نیو بھی ان ہی نظریات پر رکھی گئی جن پر تحلیلِ نفس اور لاشعوری نظریات کی رکھی گئی تھی۔اس میں ادیب لا شعور کے خانوں سے اپنا مواد اخذ کرتا ہے۔سرریلزم میں ذہن کے شعوری اور لاشعوری نیز غیر عقلی عناصر کی مصوری کی جاتی ہے۔بنظر ظاہر جو جذبات و احساسات منتشر اور بے ربط دکھائی دیتے ہیں ان میں ایک مطابقت تو ہوتی ہے لیکن اسکا تعلق شعور سے نہیں ہوتا اور نہ ہی اس پر سماجی اور اخلاقی ضوابط کی پابندی عائد ہوتی ہے۔

جدید نفسیات میں ایک تحریک اظہاریت (Expressionism) کی تحریک ہے، یہ سرریلزم سے

مشابہ ہے۔اظہاریت کا لفظ پینٹنگ (Painting) سے اخذ کنندہ ہے۔جس کی غرض و غایت مناظرِ فطرت کی بعینہ نقل نہیں، بلکہ فن کو ایک وسیلہ بنا کر فنکار کی روحانی زندگی کے اثرات کا اظہار کرنا تھا، جو اطالوی کے مشہور فلسفی اور مفکر کروچے کی بدولت سامنے آئی۔کروچے کا خیال ہے کہ تاثر کی خوبصورت تشکیل تو کی جاسکتی ہے لیکن اسکا بیرونی اظہار اہمیت نہیں رکھتا۔اس کے مطابق فن صرف داخلی وانفرادی شئے ہے، جس کا اتمام ذہن میں ہو جاتا ہے۔لہذا وہ فن کے اظہار کو منافی قرار دیتا ہے۔یہاں بھی ذہنی تصورات، تاثر، خیال یا احساس پر سارا زور ملتا ہے۔یہی چیزیں انسان کو خارجی دنیا کی حقیقت سے پرے لے جاتے ہیں۔یعنی جب کوئی احساس یا تاثر دماغ پر پوری قوت کے ساتھ غالب آجائے تو یہی اظہاریت ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جہاں تک ادب اور نفسیات کے باہم رشتے کا معاملہ ہے تو نفسیات بہت حد تک تجزیاتی نوعیت کا علم ہے۔اس علم کی بدولت ادب اور فن کے تخلیقی عمل میں زیادہ توضیح ہوئی ہے اور نئے ذخیرۂ اصطلاحات عطا ہوئے ہیں جس کی وجہ سے تخیلی کردار کا تجزیہ زیادہ سریع الفہم ہو گیا ہے اور بہت سی نہاں حقیقتیں کردار کے لاشعور سے دریافت کر لی گئی ہیں۔نتیجتاً اب فن شخصیت کا پردہ نہیں رہا بلکہ اس سے ادیب کی شخصیت اور مترشح ہوگئی۔ان نفسیاتی پیچیدگیوں کی دریافت اور سلجھاؤ میں نفسیاتی تنقید اہم کام سرانجام دیتی ہے۔نفسیاتی تنقید نگار اس ادب کو نفسیاتی ادب بتاتے ہیں جس میں تحلیلِ نفس، تحت الشعور، لاشعور، اجتماعی لاشعور، شعور کی رو، احساسِ کمتری، جنسی نفسیات، نرگسیت، داخلیت، علامت خواب، سرریلزم وغیرہ کے آثار پائے جائیں اور جن سے کرداروں کے اندرون خانہ پہنچ کر ان کے ذہنی کشمکشوں اور نفسیاتی پیچیدگیوں کا مطالعہ اور تجزیہ کیا جائے۔

☆☆☆☆☆

حوالہ جات

(۱) James William,The Principles of Psychology,vol.1,Dover Publications Inc.,1950,p.1

(۲) Morgan Clifford T.,Introduction To Psychology,Tata McGraw Hill Education Pvt.Ltd., New Delhi,1993,p.4

(۳) Edwin G.Boring(Edited),Foundations of Psychology (Third Indian Education),Asia Publishing House,Bombay,1961,p.5

(۴) Atkinson & Rital L.,Introduction to Psychology,Harcourt Brace Jovanovich Publishers,New York,p.13

(۵) Allport F.H.,Social psychology,Boslon:Houghton Mifflin, NewYork,1923,p.2

(۶) Akolkar V.V.,Social Psychology,Asia Publishing House,Bombay,1960,p.3

(۷) J.M Stephens,Educational Psychology,Revised Edition, Constable and Company Ltd.,London,1956,p.3

(۸) Robert E.Slavin,Educational Psychology(Theory into Practice),Third Edition,Allyn and Bacon,1991,p.3

(۹) Thomas G.Plante,Contemporary Clinical Psychology, Second Edition,John Wiley & Sons Inc.2005,p.7

(۱۰) ابنِ فرید: میں، ہم اور ادب، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۱۹۷۷ء، ص ۱۲

(۱۱) ڈاکٹر شارب ردولوی، جدید اردو تنقید: اصول و نظریات، ص ۱۹۲

(۱۲) Sigmund Freud,''Beyond The Pleasure Principle''Dover Thrift Editions General Editor:Mary Carolycn Waldrep Editor of this volume:JM Miller the Dover Edition First published in 2015,p.53

(۱۳) ساجدہ زیدی، انسانی شخصیت کے اسرار و رموز، ص ۳۳۶

(۱۴) ساجدہ زیدی، انسانی شخصیت کے اسرار و رموز، ص ۳۵۱۔۳۵۲